ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
دسمبر ۲۰۱۴ء

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

۴۰

پرانا حربہ

جاوید اقبال

باغ اُجاڑنے والے چالاک پرندوں نے مالی کی ترکیب ناکام بنادی

۵۵

پہلوانیاں

نوشاد عادل

واحد بھائی نے ایک جاپانی پہلوان سے اپنے ساتھی کو لڑوادیا۔ کون جیتا؟

۴۵

بلاعنوان انعامی کہانی

فضیلہ ذکا بھٹی

اس دل چسپ کہانی کا عنوان بتاکر ایک کتاب حاصل کیجیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس کو ہر کام کے لیے دوسرے انسانوں کی مدد اور ان کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ اسی کو معاشرہ یا سماج یا سوسائٹی کہتے ہیں۔ معاشرے کی بقا، ترقی اور خوش حالی کے لیے انسانوں کا آپس میں مل کر رہنا اور ایک دوسرے کے کام آنا ضروری ہے۔ لوگ اگر ایک دوسرے کے فائدے اور آرام کا خیال نہ رکھیں تو سب کی زندگی دشوار ہو جائے گی۔ ایسے معاشرے میں سکون اور اطمینان نہیں ہوتا۔ قرآن کریم کی سورۂ الحجرات میں ہے کہ:

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔'' (آیت ۱۰)

تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اس لیے ان کو آپس میں ایک دوسرے کا مددگار اور معاون ہونا چاہیے۔ ایک دوسرے کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے۔ دوسرے کے نقصان کو اپنا نقصان سمجھنا چاہیے۔ سمجھ دار انسان اپنے پڑوسی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اسلام میں پڑوسی کے حقوق پر بہت زور دیا گیا ہے۔ اگر تمھارا پڑوسی تکلیف میں ہے تو تمھیں آرام و سکون کیسے مل سکتا ہے۔

جس معاشرے میں لوگ پڑوسی کا، عزیز کا، دوست کا، ساتھی کا خیال نہیں رکھتے وہ معاشرہ ترقی کرنا تو بڑی بات ہے، قائم بھی نہیں رہتا۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان غور سے پڑھو:

''کیا میں تم کو وہ چیز بتاؤں جو روزے، نماز اور صدقے سے بھی افضل و برتر ہے؟''

صحابہؓ نے عرض کیا: ''ضرور، ارشاد ہو۔''

آپؐ نے فرمایا: ''آپس کے تعلقات کو ٹھیک کرنا۔''

(ہمدرد نونہال جنوری ۱۹۹۸ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

اس شمارے کے ساتھ آپ کے دوست ہمدرد نونہال کی عمر ۶۲ سال کی ہوگئی۔ ہمدرد نونہال کے بہت سے پڑھنے والے اب ماشاء اللہ بوڑھے ہوگئے۔ بچپن میں انھوں نے یہ رسالہ پڑھا، پھر ان کے بچوں نے پڑھا۔ اب ان کے پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں پڑھ رہے ہیں۔ اللہ پاک کا احسان ہے کہ اس کی دی ہوئی توفیق سے شروع سے اب تک رسالہ بلا ناغہ شائع ہو رہا ہے۔ ان ۶۲ برسوں میں اس نے علم اور اخلاق کی روشنی پھیلانے کو ہی اپنا اولین مقصد سمجھا۔ اس طویل عرصے میں ہمدرد نونہال کے پڑھنے والے اب ماشاء اللہ پاکستان کی خدمت کر رہے ہیں۔ ان میں بڑے بڑے عالم بھی ہیں، سائنس داں بھی ہیں، استاد، ادیب، شاعر اور صحافی بھی ہیں۔ صنعت کار اور تاجر ہیں، ڈاکٹر اور طبیب بھی ہیں۔ غرض زندگی کے ہر شعبے کے اہم لوگ ہیں، جو پاکستان کو چلا رہے ہیں۔ اس وقت جو بچے کم عمر ہیں وہ بھی علم کی دولت حاصل کرنے کے بعد پاکستان کو خوب صورت، پُرامن اور پُرسکون بنائیں گے۔

یہ دسمبر کا مہینا ہے۔ پاکستان کے بانی قائداعظم محمد علی جناح اسی مہینے (۱۸۷۶ء) میں پیدا ہوئے تھے اور پاکستان ہمیں دے کر اللہ میاں کے پاس چلے گئے۔ ہمیں بھی ان جیسا کردار بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔

شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید نے بھی بہت کام کیے۔ لاکھوں بیماروں کا علاج کیا۔ تعلیم کا معیار بڑھانے کے لیے اسکول اور کالج سے لے کر یونی ورسٹی تک قائم کی۔ بڑی اچھی اچھی کتابیں لکھیں۔ ہمدرد نونہال جاری کیا اور آخری دم تک اس رسالے کو زیادہ مفید اور اچھا بنانے میں میری رہنمائی کرتے رہے۔ جب تازہ شمارہ چھپ کر آتا تھا، اسی رات کو پورا رسالہ پڑھ کر اپنے تعریفی الفاظ کے ساتھ مجھے بھیجتے تھے۔ اب حکیم صاحب کے تمام کام ان کی جانشین محترمہ سعدیہ راشد کر رہی ہیں اور ان شاء اللہ کرتی رہیں گی۔

جب تک میری صحت ساتھ دے گی، میں بھی ہمدرد نونہال کی خدمت کرتا رہوں گا۔ ان شاء اللہ ☆

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

روشن خیالات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

دوزخ کی سزا بھگتنے کے لیے اتنی ہی بُرائی کافی ہے کہ ایک مسلمان، دوسرے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔

مرسلہ: سیدہ ہبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادخان

حضرت علی کرم اللہ وجہ

نیک لوگوں کی صحبت سے ہمیشہ بھلائی ہی ملتی ہے، کیوں کہ جب ہوا پھولوں سے گزرتی ہے تو وہ بھی خوشبو دار بن جاتی ہے۔

مرسلہ: عمر حزب اللہ، حیدرآباد

شیخ سعدی شیرازی

کسی سے دل کی بات کہہ کر پھر اس سے کہا جائے کہ کسی سے نہ کہنا، اس سے تو خاموشی بہتر ہے۔

مرسلہ: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

جس نے علم حاصل کیا، وہی کام یاب ہوا۔

مرسلہ: سمعیہ وسیم، سکھر

برنارڈشا

دوستی ایک ایسا پھول ہے، جو ہمیشہ اعتماد اور خلوص کی شاخ پر کھلتا ہے۔

مرسلہ: عائشہ جنجوعہ، پنڈ دادن خان

فیثا غورث

گالی کا جواب نہ دو، کیوں کہ کبوتر، کوے کی بولی نہیں بول سکتا۔

مرسلہ: شایان شکیل شیخ، کراچی

اقلیدس

جب کسی انسان کو اس کی بساط سے زیادہ دنیا مل جاتی ہے تو وہ لوگوں سے بُرا سلوک کرنے لگتا ہے۔

مرسلہ: زینب شہزاد، کراچی

افلاطون

سب سے بڑی فتح، اپنے آپ کو فتح کرنا ہے۔

مرسلہ: عرشیہ نوید، کراچی

والٹیر

اس علم سے جہالت بہتر ہے، جو آدابِ معاشرت نہ سکھا سکے۔ مرسلہ: عبدالرافع، لیاقت آباد

روزویلٹ

جو شخص زیادہ سوچنے والا ہوتا ہے، وہ سب سے اچھا کام کرتا ہے۔ مرسلہ: ہنگر بہار، مکران

نبیوں کے سردار ﷺ

تنویر پھول

نبیوں کے سردار محمدؐ
اُمت کے غم خوار محمدؐ
دین کی دولت آپؐ سے پائی
آپؐ نے سیدھی راہ دکھائی
رحمتِ عالمؐ بن کر آئے
دین کی خاطر پتھر کھائے
ظلم و ستم کا نام مٹایا
نیکی کا گلشن مہکایا
بے شک وہ محبوبِ خدا ہیں
ان پر ہم سب دل سے فدا ہیں
آئے گا جب روزِ قیامت
ہم پر ہوگی انؐ کی رحمت
پھول پر آقاؐ چشمِ کرم ہو
دور خدارا سارا غم ہو

سادگی

مولانا سعید احمد اکبرآبادی

خلفائے راشدین نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ظاہری نمود و شان کا ان میں پتا نہ تھا۔ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے پہلے کسی لڑکی کی بکری کا دودھ دوہا کرتے تھے۔ آپؓ خلیفہ ہوئے تو لڑکی بولی: ''اب ہماری بکری کا دودھ کون دوہے گا......؟''

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: ''خلافت مجھ کو خلقِ خدا کی خدمت سے دور نہیں رکھ سکتی۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس سادگی سے رہتے تھے، دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔ شان یہ تھی کہ آپ کی فوجوں نے ایران کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا ہے، بڑے بڑے بادشاہوں کے سامنے آپ کا نام آتا ہے تو ان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے، امیر معاویہؓ اور خالد بن ولیدؓ جیسے جرنیلوں سے باز پرس ہوتی ہے تو کیا مجال کہ ان میں سے کسی کی پیشانی پر ناراضگی یا عدولِ حکمی کی ایک شکن بھی پڑ سکے، لیکن اس شان کے باوجود سادگی کا یہ عالم ہے کہ بدن پر پیوند لگا ہوا کرتا ہے، سر پر پھٹا ہوا پرانا عمامہ ہے اور پاؤں میں ایک بہت ہی معمولی جوتا ہے۔ سفر میں اس جلیل القدر خلیفہ کو خیمے کی ضرورت نہیں، چلتے چلتے جہاں نیند آئی، وہیں کسی درخت کے سائے میں لیٹ گئے۔ مکان میں دربان اور نوکر چاکر نہیں ہیں، جو شخص جس وقت چاہے بے تکلف آ کر مل سکتا اور اپنی ضرورت بیان کر سکتا ہے۔ پھر خلافت کی ذمے داری کا احساس اس قدر شدید کہ خود غریبوں اور

بے کسوں کی خبر گیری کرتے ہیں اور ضرورت ہوتی ہے تو ان کے گھروں کا کام بھی کر آتے ہیں۔ خلیفہ ہونے کے باوجود انھیں گھر کا کام کرنے میں اور بازار سے سودا سلف لانے میں بھی کوئی عار نہیں تھا۔

شیخ الاسلام ابنِ اثیر کا بیان ہے: ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ اپنی خلافت کے زمانے میں بازار تشریف لے گئے اور ایک درہم کے پھل خریدے۔ انھیں کُرتے میں رکھ کر خود ہی لا رہے تھے کہ راستے میں کسی نے کہا: ''امیر المومنین! اپنا بوجھ کسی کو دے دیجیے۔''

آپ نے جواب دیا: ''ابوالعیال احق بحملہ۔'' (بال بچوں والا شخص اس بوجھ کو اُٹھانے کے لیے زیادہ مناسب ہے۔) ☆

چچا سعدی کے چند عمدہ اشعار

مسعود احمد برکاتی

اگر مجھ سے کوئی دنیا کی دس بہترین کتابوں کے بارے میں پوچھے تو میں ان میں ''گلستان'' کا نام ضرور شامل کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ شیخ سعدی شیرازی کی کتاب ہے۔ اس میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں یا کہانیاں ہیں۔ ہر حکایت دل چسپ ہونے کے علاوہ اخلاق سکھانے والی اور سبق اور عقل دینے والی بھی ہے۔ یہ کتاب چچا سعدی کے وسیع علم اور زندگی بھر کے تجربوں کا نچوڑ ہے۔ بڑی بڑی باتیں، چھوٹے چھوٹے جملوں اور شعروں میں لکھی ہیں۔ کسی موقع پر شعر پڑھ دیا جائے تو پھر گفتگو ضروری نہیں ہوتی۔ اس کتاب کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، جرمنی، عربی، ترکی کے علاوہ اردو میں بھی گلستاں کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

چچا سعدی کا پورا نام مصلح الدین تھا۔ شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد عبداللہ کا ان کے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ چچا سعدی کی تاریخ پیدائش اور تاریخِ وفات دونوں میں اختلاف ہے۔ بہر حال ان کی پیدائش تیرھویں صدی کے شروع میں اور وفات اسی صدی کے آخر میں ہوئی۔ بچپن شیراز میں گزارا، پھر بغداد پہنچ گئے۔ وہاں تعلیم حاصل کی پھر سفر پر نکل گئے۔ کئی ملکوں اور شہروں میں گھومے، مصیبتیں اُٹھائیں اور زندگی کے ٹھوس تجربات حاصل کیے اور اپنے شہر شیراز آ گئے اور وہیں دفن ہیں۔

چچا سعدی بہت بڑے ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کو فارسی شاعری کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی کتابوں میں ''گلستان'' اور ''بوستان'' سب سے زیادہ مشہور

ہوئیں۔ گلستاں کی شہرت ان کی زندگی ہی میں عام ہوگئی تھی اور آج تک مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ ''گلستان'' فارسی نثر کی کتاب ہے۔ اس میں حکایتیں ہیں اور جگہ جگہ پُرلطف اور نصیحت آموز شعر ہیں۔ ''بوستان'' فارسی نظم کی کتاب ہے۔ اس میں بھی حکایتیں اور خوب صورت شعر ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے بہت سے اشعار ضرب المثل (کہاوت) بن گئے ہیں۔

اس وقت ہم صرف گلستاں میں سے چند اشعار اور ان کا مفہوم لکھتے ہیں۔ ان کو دل چسپی اور توجہ سے پڑھ کر یاد رکھا جائے تو یہ ہر موقعے پر آپ کے کام آئیں گے۔

اب شعر ایک قصے سے لیا گیا ہے۔ ایک شخص کو ایک دوست سے خوشبودار مٹی ملی۔ اس نے کہا: ''میں ناچیز مٹی تھی، لیکن مدتوں ایک نیک آدمی کے ساتھ رہی ہوں۔''

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یعنی میرے ساتھ بیٹھنے والے کے جمال نے مجھ پر اثر کیا (اور مجھے خوشبودار بنادیا)، ورنہ میں وہی ناچیز مٹی ہوں جو پہلے تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھوں کی صحبت اچھا بنا دیتی ہے۔

ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

اس دنیا میں جو کوئی آتا ہے ایک نئی عمارت بناتا ہے۔ جب چلا جاتا ہے تو یہ منزل

(ٹھیرنے کی جگہ) دوسرے کے حوالے کر جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز
یہاں رہ جاتی ہے اور صرف نیک عمل ساتھ جاتے ہیں۔

زندہ است نامِ فرخِ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

نوشیرواں ایرانی تاریخ میں ایک عادل (انصاف پسند) بادشاہ کے طور پر مشہور ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ نیک نام نوشیرواں کا نام عدل و انصاف کی وجہ سے زندہ ہے۔
حال آں کہ نوشیرواں کو گزرے مدتیں ہوگئیں۔

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک انسان بات نہیں کرتا، اس کے عیب و ہنر چھپے رہتے ہیں۔ بات کرنے سے انسان کے اچھے بُرے جوہر کھلتے ہیں۔

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

جہاں کہیں میٹھے پانی کا چشمہ ہوتا ہے، وہیں آدمی اور پرندے جمع ہوتے ہیں۔
مطلب یہ ہے کہ فیض پہنچانے والے انسان کے پاس لوگ جاتے ہیں۔

بہ دریا در منافع بے شمار ست

اگر خواہی سلامت برکنار ست

دریا میں بے شمار فائدے ہیں، لیکن اگر تُو سلامتی چاہتا ہے تو وہ کنارے پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بادشاہ اور امیروں سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے، لیکن ان کی ناراضی سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ فائدہ اُٹھانے کے لیے خطرہ بھی مول لینا پڑتا ہے، لیکن اگر خطروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو ان سے دور ہی رہو۔

دوست آن دانم کہ گیرد دستِ دوست

در پریشاں حالی و درماندگی

میں اس کو دوست سمجھتا ہوں جو پریشاں حالی اور بدحالی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ دوست کی پہچان مصیبت کے زمانے ہی میں ہوتی ہے۔

اگر بمرد عدو، جائے شادمانی نیست

کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

دشمن کے مرجانے سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خود ہماری زندگی بھی تو ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے، اس لیے دشمن کے مرنے یا کم زور ہونے کی دعا سے زیادہ اچھا یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو قوی بناؤ اور اچھے کام کرو۔

اگر روزی بہ دانش پر فزودے

زناداں تنگ روزی تر نبودے

بناداں آں چناں روزی رساند

کہ دانا اندراں حیراں بماند

اگر روزی بڑھنے کا ذریعہ عقل ہوتی تو نادان یا کم عقل سے زیادہ تنگ روزی والا یا بے زر کوئی نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نادان کو اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ دانا حیران رہ جاتا ہے۔

بخت و دولت بکاردانی نیست

جز بہ تائید آسمانی نیست

قسمت اور دولت کام جاننے سے نہیں ملتی، بلکہ یہ آسمانی امداد یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ بعض وقت قابل اور ہنر مند لوگ بھی پریشان رہتے ہیں۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

صفائی

ضیاء الحسن ضیا

سب سے اچھی ہے صفائی دوستو!
گندگی خود ہے بُرائی دوستو!

صاف ستھرا رہنا عادت ڈالیے
اپنے دل میں گندگی کیوں پالیے

نصف ایماں ہے صفائی دوستو!
ہے صفائی میں بڑائی دوستو!

صاف ستھرا رہنا اچھی بات ہے
ایسا رہنا ، کہنا اچھی بات ہے

تندرستی میں بہت ہیں فائدے
ناتوانی بوجھ ہے اپنے لیے

صبح اُٹھ کر سیر کرنے جائیے
باغ میں تازہ ہوائیں کھائیے

پاک رہیے کام سب کے آئیے
دین کے سارے اصول اپنائیے

کیجیے بچو صفائی اختیار
تندرستوں کو نہیں آتا بخار

چھوٹا کمرا

شازیہ نور

آصف بیگ اپنا چہرہ ہاتھوں میں تھامے، کہنیاں میز پر ٹکائے ماضی کے دھندلکوں میں گم تھے۔ ان کے بیٹے کی شادی ہونے والی تھی اور انھیں وہ وقت یاد آ رہا تھا جب ان کی اپنی شادی ہونے والی تھی۔ ان کے والدین بہت خوش تھے، مگر گھر صرف تین کمروں پر مشتمل تھا۔ مسئلہ یہ تھا کہ دولہا یعنی آصف کو کون سا کمرا دیا جائے۔ ایک کمرے میں آصف کے والدین سوتے تھے جب کہ دوسرے کمرے میں آصف کے دادا طاہر بیگ اور آصف سویا کرتے تھے۔ تیسرا کمرا نسبتاً چھوٹا تھا، جو اسٹور کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ آصف کے والد واصف بیگ کا کہنا تھا کہ اب ابا جی کو اسی کمرے میں منتقل ہو جانا چاہیے۔ جب کہ دادا یہ چاہتے تھے کہ اسٹور والے کمرے سے تمام فالتو سامان نکال کر بیچ دیا جائے اور اسے رنگ روغن کروا کر آصف کو دے دیا جائے، کیوں کہ انھیں دمے کا مرض تھا اور وہ چھوٹے کمرے میں منتقل نہیں ہونا چاہتے تھے اور یوں بھی انھیں اپنے کمرے سے اُنسیت سی تھی۔

آصف کے دادا کا کہنا بے جا نہ تھا، مگر ان کے احساسات کا ان کے بیٹے واصف بیگ کو اندازہ نہیں تھا اور وہ اپنے والد صاحب سے صاف صاف کہہ چکے تھے کہ انھیں چھوٹے کمرے میں ہی سونا ہوگا۔

آصف کے دادا طاہر بیگ کے دل کی کیفیت عجیب سی تھی انھیں دکھ ہو رہا تھا۔ مجبوراً دادا کو اپنا کمرا خالی کرنا پڑا۔

آصف کی شادی ہو گئی۔ سب معاملہ ٹھیک لگ رہا تھا، مگر طاہر بیگ اندر ہی اندر گھٹ رہے تھے۔ وہ رات رات بھر کروٹیں بدلتے رہتے یا کتاب پڑھتے رہتے بہت مشکل سے

انھیں نیند آتی۔ ان سب باتوں کا ان کے پوتے آصف کو احساس تھا، مگر وہ چند منٹ دادا
جان کے پاس بیٹھ کر ان کی دلجوئی کے سوا کچھ بھی نہ کر سکتا تھا۔ ابھی آصف کی شادی کو تین
ماہ ہی گزرے تھے کہ طاہر بیگ کو اچانک دل کا دورہ پڑا اور وہ وفات پا گئے۔ موت کا ایک
دن معین ہے پھر بھی آصف کو جانے کیوں ایک پچھتاوا سا تھا۔

......☆......☆......

پچیس سال بعد اب خود آصف بیگ کے بیٹے ریحان کی شادی ہونے والی تھی اور
اس کے ساتھ بھی وہی چھوٹے گھر کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس کی والدہ کا دو سال پہلے انتقال
ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا ریحان اپنے دادا آصف بیگ کے ساتھ ان کے کمرے میں سوتا تھا۔
ریحان کے لیے کمرے کا بندوبست کرنا ضروری تھا۔

آصف بیگ سوچ رہے تھے کہ کیا کیا جائے؟ کیا وہ اپنے والد واصف بیگ کو جا کر سمجھائیں کہ جیسے انھوں نے اپنے والد سے کمرا خالی کرنے کو کہا تھا اسی طرح اب خود وہ بھی اپنا کمرا خالی کر دیں اور اسٹور میں منتقل ہو جائیں۔ اس چھوٹے سے کمرے کو قلعی وغیرہ کرا کر صاف ستھرا کر دیا گیا تھا۔ آصف بیگ نے وہاں الماری بنوا کر تمام ضروری سامان اس میں رکھ دیا تھا۔

واصف بیگ یہ سب دیکھ رہے تھے اور سمجھ گئے تھے کہ جلد ہی ان سے کمرا خالی کرنے کو کہا جائے گا۔ اب ان کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ اپنے کمرے سے واقعی کتنا لگاؤ ہوتا ہے اور اس وقت ان کے والد کے دل پر کیا گزری ہوگی، جب ان سے کمرا خالی کرنے کو کہا گیا تھا۔ آج واصف بیگ دل میں پچھتا رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ آصف بیگ آ کر والد سے کمرا خالی کرنے کے لیے کہتے، انھوں نے خود ہی اپنا سامان ایک اٹیچی میں رکھ دیا اور اپنی کتابیں وغیرہ ایک گتے کے ڈبے میں رکھنے لگے۔

ابھی وہ مغرب کی نماز پڑھ کر آئے تھے کہ آصف بیگ بھی ان کے ساتھ کمرے میں آ گئے۔ وہ اپنے بیٹے آصف کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہ آصف نے اٹیچی اور ڈبے میں رکھا سامان دیکھ کر تعجب سے کہا: ''ارے ابو جی! کہاں کا ارادہ ہے؟ اپنا سامان کیوں اکٹھا کر رکھا ہے؟''

واصف بیگ خود میں ہمت نہیں پا رہے تھے کہ بیٹے سے کہہ سکیں کہ وہ کمرا خالی کر رہے ہیں۔

''ابو جی! آپ سے ایک بات کرنی ہے آپ کو معلوم ہے کہ گھر میں جگہ کم ہے......''

ابھی آصف نے اتنے ہی الفاظ ادا کیے تھے کہ واصف بیگ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ وہ سمجھ گئے کہ بس اب اگلے جملے میں ان سے کمرا خالی کرنے کی درخواست کی
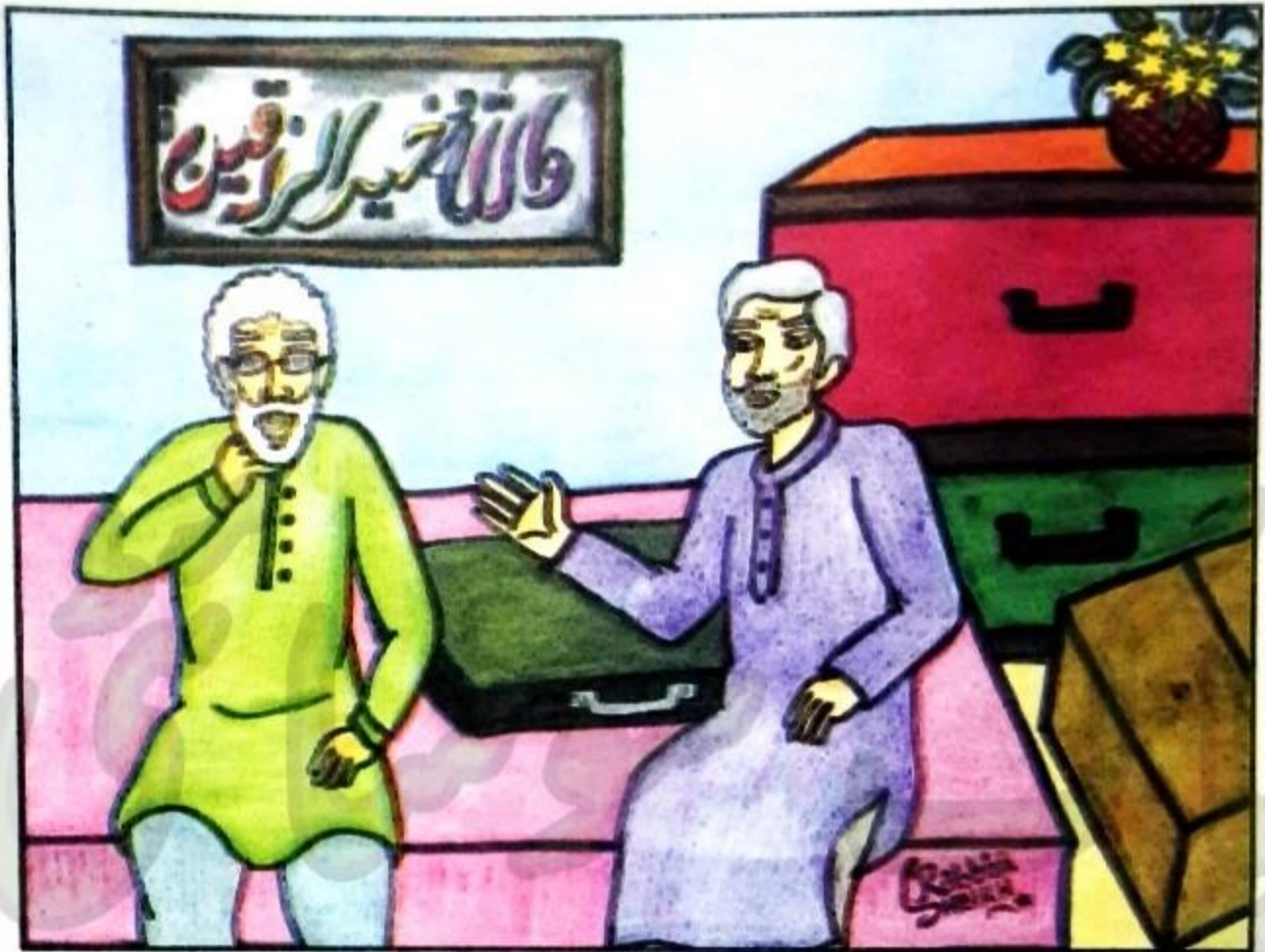
جائے گی۔ ان کا دل چاہا، چلا چلا کر بیٹے سے کہیں کہ چلے جاؤ یہاں سے، یہ میرا کمرا ہے، مگر کسی طاقت نے ان کی زبان بند کر دی۔

آصف بیگ بہت احترام سے ان کا ہاتھ تھامے کہہ رہے تھے: ''ریحان کی شادی میں اس کے ماموں بھی ملتان سے آ رہے ہیں۔ میں نے اپنا کمرا ریحان کے لیے خالی کر دیا ہے۔ چھوٹے کمرے میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ میں کسی کو اپنے ساتھ ٹھہرا سکوں، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ آپ ریحان کی جگہ انھیں ٹھہرا لیں، صرف تین چار دن کی تو بات ہے پھر وہ چلے جائیں گے۔''

آصف بیگ تفصیل بتا رہے تھے اور واصف بیگ کے اندر اُبلتا لاوا ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ وہ محسوس کر رہے تھے جیسے کسی سفر میں وہ اپنے سعادت مند بیٹے سے بہت پیچھے رہ گئے ہوں۔ ☆

ڈبیا کا جن

سمعیہ غفار میمن

''بھائی! یہ کیا ہے؟'' گڑیا نے سلمان کو کچھ دکھاتے ہوئے کہا۔

''کتنی خوب صورت ڈبیا ہے یہ کہاں سے ملی تمھیں؟'' سلمان نے ڈبیا کی تعریف کی۔

''وہاں سے۔'' گڑیا نے ایک طرف اشارہ کیا۔

''اس ڈبیا کو گھر چل کر کھولیں گے۔'' سلمان نے ڈبیا جیب میں رکھ لی۔

''بھائی میں تو کہتی ہوں کہ اسے وہیں رکھ دیتے ہیں، جہاں سے ہم نے اسے اُٹھایا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ڈبیا کسی کی جیب سے گر گئی ہو اور وہ اسے تلاش کر رہا ہو، اس طرح کسی کی چیز اُٹھانا بہت بُری بات ہے۔'' گڑیا نے خیال ظاہر کیا۔

''گڑیا! ہم نے کوئی چوری نہیں کی، بلکہ یہ ڈبیا ہمیں زمین پر پڑی ہوئی ملی ہے۔

اس میں کیا بُری بات ہے؟'' سلمان نے گڑیا کو ڈانٹ دیا۔

''لیکن بھائی......'' گڑیا کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن سلمان نے اس کی بات نہیں سنی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

گھر پہنچ کر سلمان نے ڈبیا کو چھپا دیا اور دونوں بہن بھائی اپنے معمول کے کاموں میں مصروف ہو گئے یہاں تک کہ ڈبیا والی بات بھی ان کے ذہن سے نکل گئی۔

رات کو جب دونوں بہن بھائی اپنے کمرے میں سونے گئے تو ایک دم گڑیا کو ڈبیا کا خیال آیا۔ اس نے سلمان کو بھی یاد دلایا۔ سلمان نے اللہ کا نام لے کر آہستگی سے ڈبیا کو کھولا اور دونوں بہن بھائی دعائیں مانگنے لگے کہ اللہ کرے ڈبیا میں سے کوئی اچھی چیز نکلے۔ سلمان نے جیسے ہی ڈبیا کا ڈھکن اُٹھایا ایک ہلکا سا دھماکا سنائی دیا اور کمرے میں دھواں پھیل گیا۔ دھواں چھٹا تو دیکھا کہ ایک دبلا پتلا آدمی زمین پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا قد بہت لمبا اور کمر جھکی

ہوئی تھی ۔ اس آدمی کے سر پر بال نام کی کوئی چیز نہیں تھی، لیکن اس کی مونچھیں بہت بڑی بڑی تھیں ۔ اس آدمی نے بڑی مشکل سے خود کو سیدھا کیا، لیکن اس کا قد اتنا بڑا تھا کہ اسے سیدھا کھڑا ہونے میں دشواری پیش آ رہی تھی، کیوں کہ گھر کی چھت اس کے قد سے نیچی تھی، لہٰذا وہ زمین پر ہی بیٹھ گیا۔

''ک...... کون ہو تم اور کہاں سے آئے ہو؟'' سلمان نے ڈرتے ہوئے پوچھا اور گڑیا خوف سے بھائی سے چمٹ گئی۔

''میں جن ہوں اور اسی ڈبیا سے نکلا ہوں۔'' جن نے کم زور سی آواز میں کہا۔

''ڈبیا کا جن !'' سلمان اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ ''لیکن تم تو اتنے بڑے ہو اور یہ ڈبیا اتنی چھوٹی تم اتنی چھوٹی سی ڈبیا میں کیسے داخل ہو سکتے ہو؟''

''میں اتنا بڑا ہوں اور ڈبیا اتنی چھوٹی ہے اسی لیے تو میری یہ حالت ہوئی ہے؟'' جن نے کراہتے ہوئے اپنی کمر پر ہاتھ رکھ لیا۔

''کیا مطلب؟'' سلمان جن کی بات نہیں سمجھ سکا۔

''بتاتا ہوں سب کچھ بتاتا ہوں، مجھے ذرا اپنی کمر تو سیدھی کر لینے دو۔'' جن زمین پر لیٹ گیا، لیکن اپنے لمبے قد کی وجہ سے وہ ٹھیک سے لیٹ بھی نہیں پا رہا تھا۔ جن بہت کم زور اور بیمار سا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے منھ سے مسلسل کراہنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں جن بے ہوش ہو گیا۔ دونوں بہن بھائی بہت پریشان تھے کہ اس بوڑھے اور لمبے جن سے کیسے پیچھا چھڑائیں اور اسے امی ابو سے کیسے اور کہاں چھپائیں۔

صبح کو سلمان اور گڑیا کے امی ابو کو بھی جن کے بارے میں پتا چل گیا اور انھوں نے سلمان کو بہت ڈانٹا کہ وہ اس جن کو گھر میں کیوں لائے ہیں۔

''امی! مجھے پتا نہیں تھا کہ اس ڈبیا میں سے یہ جن نکلے گا، لیکن اب اگر یہ آ ہی گیا ہے تو امی اس کو ہوش میں لانے کی کوشش کریں۔ یہ ہمارے بہت کام آ سکتا ہے۔ ہم جو چاہے اس سے اپنی خواہشات پوری کروا سکتے ہیں۔'' سلمان نے تجویز پیش کی۔

''ہاں کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو، لیکن ہم اسے ہوش میں کیسے لائیں گے؟'' سلمان کی امی نے کہا۔

''اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے ماریں، شاید یہ ہوش میں آ جائے۔'' سلمان کے ابو نے کہا۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' سلمان نے نعرہ لگایا۔

''لیکن میری ایک شرط ہے جب یہ ہوش میں آئے گا تو سب سے پہلے یہ میری خواہش پوری کرے گا۔ بھئی مجھے دفتر آنے جانے میں بہت دشواری ہوتی ہے میں تو پہلی ہی فرصت میں اس سے گاڑی کی فرمائش کروں گا۔'' سلمان کے ابو نے کہا۔

''میں تو جن سے ڈھیر سارے کھلونے مانگوں گی'' گڑیا بولی۔

''میں نئی سائیکل لوں گا۔'' سلمان نے اپنی خواہش بتائی۔

سلمان کی امی بھی بول پڑیں: ''اور میں تو زیورات لوں گی۔''

گھر کے سب لوگوں نے اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا، جو وہ جن کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے کرنے والے تھے۔ یوں لمبے جن کو ہوش میں لانے کی کوششیں شروع کر دی گئیں۔

کافی دیر کوششوں کے بعد آخر جن ہوش میں آ گیا۔ کئی مہینوں کی کوشش اور محنت کے بعد آخر جن صحت یاب ہو گیا اور کچھ کہنے اور سننے کے قابل ہو گیا، لیکن اس کی کمزوری

اب بھی باقی تھی۔ سلمان کے پوچھنے پر جن نے بتایا: ''میں کوہ قاف میں رہتا تھا اور فوج میں ملازم تھا اور نہایت ایمان داری اور دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ سارے جن میری بہت عزت کرتے تھے۔ میں بھی اپنی زندگی سے بہت خوش تھا۔ جب میں ریٹائر ہو گیا تو کچھ بد کردار جن میرے تجربے کا فائدہ اُٹھا کر مجھ سے غلط کام کروانا چاہتے تھے، جنھیں کرنے سے میں نے انکار کر دیا اور اسی جرم میں میرے خلاف سازش کی گئی اور مجھ سے میری جادوئی طاقت چھین لی۔ میرے بڑھاپے کا بھی خیال نہ کیا اور مجھے اس چھوٹی سی ڈبیا میں بند کر دیا گیا۔ میں نہ جانے کتنے سالوں سے اس ڈبیا میں قید رہا اور آزادی کی دعائیں مانگتا رہا۔ آخر اللہ نے میری سن لی اور میں یہاں آ گیا۔ میں تم لوگوں کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔'' جن نے گھر کے سب لوگوں کی طرف باری باری دیکھا۔

''اس کا مطلب تم ہماری کوئی خواہش پوری نہیں کر سکتے؟'' سلمان نے پوچھا۔

''خواہش! کیسی خواہش؟'' جن حیرانی سے سلمان کو دیکھنے لگا۔

''ابو کی نئی گاڑی، امی کے زیورات، میری نئی سائیکل اور گڑیا کے کھلونے۔''

سلمان نے اپنی خواہشات کی لسٹ جن کے سامنے رکھ دی۔

''دیکھو بیٹا! میں نے ابھی ابھی تمھیں بتایا ہے کہ میں نے زندگی میں کبھی کوئی ناجائز کام نہیں کیا اور ہمیشہ سیدھا اور سچا راستہ ہی اختیار کیا ہے، جس کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں۔ میں اپنے ضمیر سے مطمئن بھی ہوں۔ ایک اور بات وہ یہ کہ اب تو میرے پاس جادوئی طاقت بھی نہیں رہی ہے، اس لیے بھی میں تمھاری کوئی خواہش پوری نہیں کر سکتا۔ میں تم سب سے معذرت چاہتا ہوں کہ میں تمھاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔'' جن نے اپنی ایمان داری کی داستان سنائی۔

''تو پھر تم اپنی دنیا میں واپس چلے جاؤ۔'' سلمان کے ابو نے کہا۔

''میں اپنی دنیا میں واپس نہیں جا سکتا۔ مجھے وہاں سے نکالا گیا ہے۔ جب تک وہاں سے کوئی خود مجھے لینے نہیں آئے گا، میں واپس نہیں جاؤں گا۔ میں ایک خوددار جن ہوں اور کسی صورت بھی اپنی خودداری کا سودا نہیں کر سکتا۔'' جن نے اپنا فیصلہ سنایا۔

''تو پھر اب تم کیا کرو گے؟ کہاں جاؤ گے؟'' سلمان نے پوچھا۔

''مجھے تمھارے گھر میں سر چھپانے کی تھوڑی سی جگہ چاہیے۔ میں محنت مزدوری کر کے اپنا گزارا کر لوں گا اور کسی پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ تم لوگ بس مجھے ایک ٹھیلا لگا دو تو میں سبزیاں بیچ کر پیسے کماؤں گا اور آہستہ آہستہ وہ رقم بھی ادا کر دوں گا، جو تم لوگوں نے میری دیکھ بھال پر خرچ کی ہے۔ میں تمھارے گھر کے کام کاج بھی کر سکتا ہوں۔'' جن نے عاجزی سے کہا۔

لمبے قد والے بوڑھے جن سے سلمان اور اس کے گھر والوں کو جو اُمیدیں وابستہ تھیں جن نے ان سب پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس جن سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ سلمان کے ابو نے اس جن کی ایمان داری کی قدر کرتے ہوئے اسے ایک ٹھیلا لگا دیا۔ جن ٹھیلا بھی سنبھالتا اور سلمان کے گھر کے کام بھی کر دیتا۔

جلد ہی محلے کے بچوں کے ذریعے سے یہ بات سب جگہ پھیل گئی کہ ایک بہت لمبا آدمی سلمان کے گھر آیا ہے۔

ابو کے کہنے پر سلمان نے لوگوں کو بتایا کہ یہ ہمارے ماموں ہیں، جو گاؤں سے آئے ہیں۔ کسی نے ٹی وی چینل کو خبر کر دی۔ انھوں نے فوراً ہی خبر بنا کر نشر کر دی کہ ہمارے شہر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ دنیا کا سب سے لمبا آدمی اسی شہر میں رہتا ہے۔

کچھ ہی دنوں میں جن کو حکومت کی طرف سے اخراجات کے لیے وظیفہ بھی ملنے لگا، اس کے ساتھ اسے مختلف ممالک میں بھیجا جاتا، تاکہ وہ ملک کا نام روشن کرے۔ دنیا بھر کے ریکارڈ جمع کرنے والی تنظیم نے اپنی کتاب میں اس کا نام شامل کرلیا۔

گرمیوں کے دن تھے۔ جن صحن میں سو رہا تھا کہ رات بارہ بجے اسی قد کے دو اور جن صحن میں نظر آئے۔ وہ دونوں جوان تھے۔ انھوں نے سوئے ہوئے جن کو اُٹھایا اور دونوں بوڑھے جن گلے لگ کر بولے: ''ابا جی! ہم دونوں بھائی برسوں سے آپ کو تلاش کر رہے ہیں۔ ہمیں سب بات پتا چل گئی ہے۔ ان لوگوں کو گرفتار کرلیا گیا ہے جنھوں نے آپ پر یہ ظلم کیا ہے۔ ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔ جادوئی طاقت بھی آپ کو اسی وقت مل جائے گی۔

بڑے جن نے کہا: ''نہیں، ان لوگوں نے میرا بہت ساتھ دیا ہے، اس لیے اب میں یہیں رہوں گا۔''

اسی دوران باتوں کی آواز سن کر باقی گھر والے بھی صحن میں آ گئے۔ انھیں اصل بات معلوم ہوئی تو بہت خوش ہوئے اور بولے: ''اگر آپ جانا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ کبھی کبھی ملنے آجایا کیجیے۔''

بوڑھا جن بہت دیر تک سوچتا رہا، پھر بیٹوں کے زور دینے اور گھر والوں کی رضا مندی سے اپنی دنیا میں واپس جانے پر تیار ہوگیا۔ جن نے کہا: ''مجھے دنیا بھر سے نقد انعام اور تحفے وغیرہ ملے ہیں، اب وہ آپ کے ہیں۔ اس سے آپ چاروں کی وہ خواہش پوری ہو جائیں گی جن کی فرمائش آپ سب نے کی تھی۔''

پھر گھر والوں نے روتے ہوئے جن کو رخصت کر دیا۔ ☆

جہاں قائداعظم پیدا ہوئے

نسرین شاہین

بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح ۲۵ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیر کے دن کراچی میں پیدا ہوئے۔ جب قائداعظم سات دن کے تھے تو دہلی میں ملکہ وکٹوریہ کے قیصرِ ہند ہونے کا اعلان کیا گیا۔ قائداعظم محمد علی جناح اس سال پیدا ہوئے جب ہندستان میں برطانوی سلطنت مستحکم ہوئی۔ تقریباً ۷۰ سال بعد اسی ملکہ وکٹوریہ کے پڑپوتے سے قوم کے رہنما قائداعظم نے مسلمانوں کی آزادی کے لیے فیصلہ کُن جدوجہد کی۔

قائداعظم کراچی کے قدیم علاقے کھارادر کے جس مکان میں پیدا ہوئے، اسے 'وزیر مینشن' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ کھارادر میں چھاگلہ اسٹریٹ پر واقع یہ عمارت جہاں قائداعظم پیدا ہوئے ۱۸۶۰ء اور ۱۸۷۰ء کے درمیان تعمیر ہوئی تھی، تقریباً ڈیڑھ سو سال پرانی ہے۔ اس تین منزلہ عمارت کا رقبہ ۱۲۵ مربع گز ہے۔ قائداعظم کے والدین کاٹھیاواڑ سے کراچی آ کر اسی عمارت میں رہنے لگے۔ قائداعظم کے بزرگ کاٹھیاواڑ کے رہنے والے تھے۔ وہاں جب ان کا کاربار نہ چلا تو کراچی میں کھارادر کے قدیم علاقے میں آ کر آباد ہو گئے۔ ان کے والد جناح پونجا چمڑے کا کاربار کرتے تھے۔ محمد علی جناح کے علاوہ ان کی چھوٹی بہن فاطمہ جناح بھی وزیر مینشن میں پیدا ہوئی تھیں۔

وزیر مینشن کراچی کی قدیم ترین عمارتوں کے درمیان میں واقع ہے۔ ۱۹ ویں صدی کی انوکھے طرز کی ان عمارتوں میں سے ایک وزیر مینشن بھی ہے۔ محراب نما

کھڑکیوں، دریچوں اور راہ داریوں والی اس تین منزلہ عمارت کی پہلی منزل پر دکانیں تھیں، اوپر کی منزلیں رہائش کے لیے وقف تھیں۔

وزیر مینشن کو قائداعظم کا مقامِ پیدائش ہونے کی وجہ سے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔ عمارت کی اس اہمیت کی وجہ سے قائداعظم محمد علی جناح کی یاد میں حکومت نے وزیر مینشن کو یادگار اور قومی تاریخی ورثہ قرار دیتے ہوئے وہاں ایک لائبریری قائم کردی ہے۔ اس تاریخی عمارت میں قائداعظم کے استعمال کی بعض نادر چیزیں بھی نمایش کے لیے رکھی گئی ہیں۔

وزیر مینشن اب قائداعظم کی یادگار کے طور پر حکومتِ پاکستان کے محکمہ آثار قدیمہ کی تحویل میں ہے۔ اس عمارت کی پہلی منزل پر قائداعظم کے زیر مطالعہ قانون کی ۶۸۴ کتابیں بطور یادگار محفوظ ہیں۔

قائداعظم محمد علی جناح جب چھے برس کے ہوئے تو انھیں کراچی کے مدرستہ الاطفال میں داخل کیا گیا۔ پھر ۴ جولائی ۱۸۸۷ء کو کرسچین مشینری سوسائٹی ہائی اسکول میں داخل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد قائداعظم بمبئی جا کر مدرسہ انجمنِ اسلام کی پہلی جماعت میں داخل ہوئے، لیکن پھر چند ماہ بعد کراچی واپس آ کر ۲۳ دسمبر ۱۸۸۷ء کو سندھ مدرستہ الاسلام میں داخلہ لیا۔ قائداعظم نے اپنے ابتدائی تعلیمی مراحل وزیر مینشن میں رہتے ہوئے طے کیے۔

چند سال پہلے وزیر مینشن کو نئے سرے سے آراستہ کیا گیا، جس کی وجہ سے عمارت میں دل کشی پیدا ہو گئی ہے۔ تاریخی اہمیت کی حامل یہ عمارت وزیر مینشن کراچی کے ایک ایسے علاقے میں واقع ہے جو قدیم ہونے کے ساتھ ساتھ بہت مشہور ہے۔

نونہالوں کو اس یادگار تاریخی عمارت کی سیر ضرور کرنی چاہیے، تاکہ وہ دیکھ سکیں کہ بانی پاکستان جہاں پیدا ہوئے وہ عمارت کیسی ہے، اس میں کتنے کمرے ہیں اور کیسی راہ داریاں ہیں؟ اس قدیم عمارت کو دیکھنے کے بعد یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ پرانے وقتوں میں رہائشی عمارتیں کس انداز سے تعمیر ہوا کرتی تھیں اور ان میں روشنی اور ہوا کے گزر کا کیا بندوبست ہوا کرتا تھا۔ ☆

راستہ بتانے والے جوتے

''WIZARD OF OZ'' بچوں کی پسندیدہ فلم ہے۔ بچوں کے جس ناول پر یہ مشہور فلم بنی تھی، وہ ناول ہمدرد نونہال میں عوز جادوگر کے نام سے قسط وار شائع ہو چکا ہے۔ اس میں ایک لڑکی ڈورتھی کا کردار بھی تھا۔ ڈورتھی کے پاس سرخ رنگ کے ایسے جوتے تھے جو بٹن دباتے ہی اسے گھر پہنچا دیتے تھے۔ اس ناول کے خیالی جوتے اب حقیقت کے روپ میں سامنے آ گئے ہیں۔ بھارت میں تیار کیے جانے والے یہ جوتے اپنے پہننے والے کی درست رہنمائی کریں گے۔ یہ جوتے پہننے والے کو راستہ اور سمت ہی نہیں، بلکہ یہ بھی بتائیں گے کہ کتنے قدم کا فاصلہ طے کیا گیا ہے اور یہ بھی بتائیں گے کہ آپ کی کتنی انرجی (طاقت) خرچ ہو چکی ہے۔

یہ جوتے ''بلوٹوتھ'' ٹیکنالوجی کے حامل ہیں، جو پہننے والے کے اسمارٹ فون سے منسلک ہوں گے۔ جوتوں میں نصب ایک آلہ دائیں مڑنے کے لیے دایاں اور بائیں مڑنے کے لیے بایاں جوتا جھنجھناہٹ پیدا کرے گا، تاکہ پہننے والا اسی سمت مڑ جائے۔ ان جوتوں کا نام ''لے چل'' رکھا گیا ہے۔ یہ ۳۰ سالہ ''کرسپین لارنس'' اور ۲۸ سالہ ''انیرو شرما'' کی ایجاد ہیں، جنھوں نے انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کی اور ایک چھوٹے سے فلیٹ میں ان جوتوں پر تجربات کیے۔ اب انھیں اس کام کے لیے سرمایہ لگانے والے بھی مل گئے ہیں، اس لیے انھوں نے پچاس ملازمین بھی رکھ لیے ہیں۔ انھیں پچیس ہزار جوڑی جوتوں کے پیشگی آرڈر بھی مل گئے ہیں۔ ان جوتوں کی قیمت ایک سو ڈالر سے ایک سو پچاس ڈالر تک رکھی گئی ہے۔

☆☆☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کرکے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

نعتِ رسولِ مقبولؐ

شاعر : ناصر کاظمی

پسند : اسریٰ خان، کراچی

شجر حجر تمھیں جھک کر سلام کرتے ہیں
یہ بے زبان تمھیں سے کلام کرتے ہیں
مسافروں کو ترا در ہے منزلِ آخر
یہیں سب اپنی مسافت تمام کرتے ہیں
جنھیں جہاں میں کہیں بھی اماں نہیں ملتی
وہ قافلے یہاں آکر قیام کرتے ہیں
نظر میں پھرتے ہیں تیرے دیار کے منظر
اسی نواح میں ہم صبح و شام کرتے ہیں
سکونِ دل کی انھی سے اُمید ہے ناصر
جو اپنا فیض غریبوں پہ عام کرتے ہیں

پانچ باتیں

مرسلہ : رانا بلال احمد، بھکر

بچوں کی پانچ اچھی باتیں، جن سے بڑے بھی سبق لے سکتے ہیں:

۱۔ وہ رو رو کر مانگتے ہیں اور اپنی بات منوا لیتے ہیں، یعنی ہمیں رو رو کر اللہ سے دعا مانگنا چاہیے، وہ ضرور دے گا۔

۲۔ وہ مٹی میں کھیلتے ہیں، یعنی غرور اور تکبر خاک میں ملا دیتے ہیں۔

۳۔ لڑ جھگڑ کر صلح کر لیتے ہیں، یعنی حسد نہیں رکھتے۔

۴۔ جتنا مل جائے وہی کھا لیتے ہیں، یعنی ذخیرہ کرنے کی ہوس نہیں رکھتے۔

۵۔ مٹی کے گھر بناتے ہیں اور کھیل کر گرا دیتے ہیں، یعنی بتاتے ہیں کہ یہ دنیا فانی ہے۔

بیٹے کی تمنا

مرسلہ : ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

حضرت شیخ سلیم الدینؒ، خواجہ

معین الدین چشتی اجمیریؒ کے خاندان سے تھے۔ مغل شہنشاہ اکبر کو بیٹے کی تمنا تھی۔ وہ آگرے سے پیدل شیخ صاحب کے پاس دعا کرانے آیا۔ اللہ نے بیٹا دیا، جس کا نام شیخ صاحب کے نام پر سلیم رکھا اور پیار سے شیخو بھی کہا جاتا تھا۔

اکبر نے اس جگہ ایک شہر تعمیر کرایا۔ گجرات کی فتح کے بعد نام فتح پور رکھا۔ پورا علاقہ فتح پور سیکری کہلاتا ہے۔ یہیں حضرت سلیم الدین چشتیؒ کا مزار ہے۔ ان کا عرس رمضان کے مہینے میں ہوتا ہے۔ زائرین ہندستان کے کونے کونے سے آتے ہیں۔ دعائیں مانگتے ہیں۔ شیخ سلیم الدین چشتیؒ کے نام پر شہزادہ سلیم نے جہانگیر کے نام سے ہندستان پر حکومت کی۔

علم و عقل

تحریر : بابائے اردو مولوی عبدالحق

مرسلہ : حماد وسیم، دستگیر

علم، محنت اور کوشش سے حاصل ہوتا ہے۔ عقل، زندگی کے تجربوں سے آتی ہے۔ علم بغیر عقل کے کار آمد نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات نقصان رساں ہوتا ہے اور عقل، بغیر علم کے اکثر غلط رستے پر لے جاتی ہے۔

علم اور عقل دونوں کے تعاون پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے، لیکن ایک چیز اور ہے، جو ان سے بھی زیادہ بابرکت اور افضل ہے۔ وہ انسان کی سیرت یعنی کردار ہے۔ اس میں کچھ فطرت کا عطیہ ہوتا ہے، جو پیدایشی ہے اور کچھ ماحول اور تعلیم و تربیت کا اثر ہے۔ جہاں یہ نہیں وہاں علم و عقل دونوں بے کار ہیں۔

محمد علی جناح

مرسلہ : نادیہ اقبال، کراچی

ملت کا پاسباں ہے محمد علی جناح
ملت ہے جسم، جاں ہے محمد علی جناح
صد شکر ہے پھر گرمِ سفر اپنا کارواں
اور میرِ کارواں ہے محمد علی جناح

بیدار مغز ناظمِ اسلامیانِ ہند
ہے کون! بے گماں ہے محمد علی جناح
رکھتا ہے دل میں تاب وتواں نو کروڑ کی
کہنے کو ناتواں ہے محمد علی جناح
رگ رگ میں اس کی ولولہ ہے جب قوم کا
پیری میں بھی جواں ہے محمد علی جناح
لگتا ہے ٹھیک جا کے نشانے پہ جس کا تیر
ایسی کڑی کماں ہے محمد علی جناح
ملت ہوئی ہے زندہ پھر اس کی پکار سے
تقدیر کی اذاں ہے محمد علی جناح
غیروں کے دل بھی سینے کے اندر دہل گئے
مظلوم کی فغاں ہے محمد علی جناح
اے قوم اپنے قائداعظم کی قدر کر
اسلام کا نشاں ہے محمد علی جناح
عمرِ دراز پائے مسلماں کی ہے دعا
ملت کا ترجماں ہے محمد علی جناح

(یہ مشہور نظم قرارداد لاہور ۱۹۴۰ء میں میاں بشیر احمد نے قائداعظم کے حضور پیش کی تھی)

کافی

تحریر : مشتاق احمد یوسفی

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک آنچ کی کسر رہ گئی۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا ایک مخصوص نسخہ ہوتا ہے، جو سینہ بہ سینہ، حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔

مشرقی افریقا کے اس انگریز افسر کا قصہ تو سبھی کو معلوم ہے، جس کی مزے دار کافی کی سارے ضلع میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے دوستوں کی نہایت پُر تکلف دعوت کی، جس میں اس کے حبشی خانساماں نے بہت ہی خوش ذائقہ کافی بنائی۔ انگریز نے بہ غرض حوصلہ افزائی اس کو معزز مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب پوچھی۔

حبشی نے جواب دیا: ''بہت ہی سہل طریقہ ہے۔ میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں۔ پھر اس میں کافی ملا کر دم کرتا ہوں۔''

''لیکن اسے حل کیسے کرتے ہو؟ بہت

مہین چھنی ہوئی ہوتی ہے۔''

''حضور! کے موزے میں چھانتا ہوں۔''

''کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہو؟'' آقا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔

خانساماں سہم گیا: ''نہیں سرکار! میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔''

آکاس بیل

تحریر : نسیم حجازی

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

کسان نے مجھ سے کہا: ''تم نہیں جانتے کہ یہ بیل درختوں کے لیے کتنی خطرناک ہے۔''

میں نے جواب دیا: ''یہ خوب صورت اور نرم و نازک شے خطرناک کیسے ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں تو یہ درختوں کو سردی اور گرمی سے بچاتی ہو گی۔''

کسان نے کہا: ''نہیں یہ درختوں کی دشمن ہے۔ ہم اسے آکاس بیل کہتے ہیں۔ اس کی کوئی جڑ زمین میں نہیں ہوتی۔ یہ درخت کی سبز ٹہنیوں سے اپنی خوراک حاصل کرتی ہے اور بہت بڑھتی اور پھولتی ہے، لیکن جس درخت پر اس کا قبضہ ہو جاتا ہے وہ آہستہ آہستہ سوکھ جاتا ہے۔

یہ بیل اس بے رحم راجا کی طرح ہے جو اپنی رعایا کا خون پیتا ہے۔

گداگر

تحریر : ابنِ انشا

مرسلہ : فرازیہ اقبال، عزیز آباد

گداگروں کے متعلق یہ فرض کر لینا درست نہ ہو گا کہ سب ہی دھوکے باز ہوتے ہیں۔ بعض کی مجبوریاں پیدائشی ہوتی ہیں۔ کل ہی ایک لڑکا معصوم صورت بنائے گلے میں تختی لٹکائے آیا۔ تختی پر لکھا تھا: ''میں گونگا اور بہرہ ہوں۔ راہِ مولا میری مدد کیجیے۔''

ہم نے ایک رپیا دیا اور چمکار کر پوچھا: ''برخوردار! کب سے گونگے اور بہرے ہو؟''

بولا: ''جی پیدائشی ہوں۔'' ☆

بابائے قوم کے نام

عقیل عباس جعفری

زندہ رہنے کا ہنر تُو نے دیا
مجھ کو اس دشت میں گھر تُو نے دیا

میرے ہر لفظ کو بخشی توقیر
میرے لہجے کو اثر تُو نے دیا

یہ جو عزت ہے، ترے نام کی ہے
میرے شانے پہ یہ سر تُو نے دیا

جس کی خوشبو سے مہکتا ہے وجود
مجھ کو ایسا گُلِ تر تُو نے دیا

جس نے ہر دھوپ سے محفوظ رکھا
میرے سر پر وہ شجر تُو نے دیا

انگریزی کے عظیم ناول نگار چارلس ڈکنز کا ناول اردو میں

ہزاروں خواہشیں

ہر دل عزیز ادیب مسعود احمد برکاتی کے قلم سے

ایک یتیم اور مفلس بچے کی زندگی کے ولولہ انگیز حالات۔ ایک مجرم اور مفرور قیدی نے اس کی مدد کی، جرائم پیشہ لوگوں کی صحبت میں رہ کر بھی اس نے بُرائی کا مقابلہ کیا، اچھے اور بُرے لوگوں کی سازشوں کے درمیان زندگی گزارنے والے اس غریب بچے کی جرات، ہمت اور حوصلے کی جستجو سے بھری داستان۔ مسعود احمد برکاتی کے پُرکشش اندازِ بیان اور ان کی بامحاورہ اردو نے اس داستان کو اور بھی دل کش بنا دیا ہے۔

۱۲۰ صفحات پر مشتمل باتصویر، دیدہ زیب ٹائٹل

قیمت: ساٹھ (۶۰) روپے

پڑھنے کا شوق پیدا کرنے والی

مشہور ادیب اشرف صبوحی کی انوکھی کتاب

کہاوتیں اور ان کی کہانیاں

ہر کہاوت کے پیچھے کوئی نہ کوئی دل چسپ اور سبق آموز کہانی ہوتی ہے۔ اس کہانی سے کہاوت کا لُطف دوبالا ہو جاتا ہے اور ہم اپنی زندگی میں بھی اسے استعمال کر کے لُطف اُٹھا سکتے ہیں۔ اشرف صبوحی دہلوی مرحوم نے ایسی ۳۵ کہاوتیں منتخب کر کے ہر کہاوت کے ساتھ ایک کہانی لکھ دی ہے،

۳۵ کہاوتوں کے ساتھ ۳۵ کہانیاں

معلومات بھی حاصل کیجیے اور مزے دار کہانیاں بھی پڑھیے

خوب صورت رنگین ٹائٹل — صفحات: ۳۶ — قیمت: ۴۰ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔ ۷۴۶۰۰

بیت بازی

اس کو ناقدریِ عالم کا صلہ کہتے ہیں
مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

شاعر: نامعلوم — پسند: منیر نواز، ناظم آباد

کوئی صدمہ ضرور پہنچے گا
آج کچھ دل کو شادمانی ہے

شاعر: جوش ملیح آبادی — پسند: عبدالرحمان، جعفر آباد

چارہ سازوں سے الگ ہے مرا معیار، کہ میں
زخم کھاؤں گا تو کچھ اور سنور جاؤں گا

شاعر: احمد ندیم قاسمی — پسند: سید مازن علی ہاشمی، کورنگی

دل نے آنکھوں سے کہی، آنکھوں نے دل سے کہی
بات چل نکلی ہے، اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

شاعر: محمد دین تاثیر — پسند: عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

صدیوں کا فرق پڑتا ہے لمحوں کے پھیر میں
جو غم ہے آج کا، اُسے کل پر نہ ٹالیے

شاعر: قتیل شفائی — پسند: محمد بلال حیدر، نارتھ کراچی

مجروح سنے کون تری تلخ نوائی
گفتارِ عزیزاں شکر آمیز بہت ہے

شاعر: مجروح سلطان پوری — پسند: علی حیدر رضا شاری، لاکھڑا

نیا اک رشتہ پیدا کیوں کریں ہم
بچھڑنا ہے تو جھگڑا کیوں کریں ہم

شاعر: جون ایلیا — پسند: سید بازل علی ہاشمی، کراچی

اپنی ناکامی کا ایک سبب یہ بھی ہے فراز
جو چیز مانگتے ہیں، سب سے جدا مانگتے ہیں

شاعر: احمد فراز — پسند: روبینہ ناز، کراچی

کتابیں، تتلیاں، پَر، پھول، پتے
مرا بچپن ہے بستے میں مقید

شاعر: محسن بھوپالی — پسند: پارس احمد خان، اورنگی ٹاؤن

پتھروں کا وہ دور بھی ایسا نہ تھا
کہ آدمی وحشی تھا، مگر بے چہرہ نہ تھا

شاعر: سرشار صدیقی — پسند: راجا حشمت حیات، پنڈ دادن خان

آگ سوکھے ہوئے جنگل میں بھڑک اُٹھے گی
ایک چنگاری کو کیوں اتنی ہوا دیتے ہو

شاعر: عثمان رحو — پسند: عبدالرافع، لیاقت آباد

تم زمانے کے مخالف تھے، مگر تم پر بھی
کچھ نہ کچھ چھوڑ گیا رنگ، زمانہ اپنا

شاعر: رام ریاض — پسند: خرم احمد خاں، کراچی

بے تابیاں سمیٹ کر سارے جہاں کی
جب کچھ نہ بن سکا تو میرا دل بنا دیا

شاعر: مجی گیتوی — پسند: حمزہ محمد خان، سکھر

بزم ویران ہوئی میرے نہیں ہونے سے
ایسے ویرانے میں پھر آؤں، ضرورت کیا ہے

شاعرہ: فاطمہ تاج — پسند: احمد حبیب علی، ملتان

پرانا حربہ

جاوید اقبال

لمبی اور بھاری چونچ والا پرندہ اُڑتا ہوا باغ میں پہنچا تو اس کی نظر ایک لمبی تڑنگی بلا پر پڑی جو باغ کے بالکل بیچ میں اپنے گول مٹول سر اور لمبی ٹانگ کے سہارے اپنے بازو پھیلائے کھڑی تھی۔ پرندے کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ قلابازی کھا کر واپس پلٹا اور باغ سے دور چیڑ کے ایک اونچے پیڑ پر جا بیٹھا اور خوف زدہ نظروں سے اس بلا کو دیکھنے لگا۔

باغ کے ایک کونے سے بوڑھے مالی نے پرندے کو خوف زدہ ہو کر بھاگتے دیکھا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اب دیکھتا ہوں تم کیسے میرا باغ اُجاڑتے ہو۔'' اس نے زیرِ لب کہا۔

بوڑھا مالی ان پرندوں کے ہاتھوں سخت پریشان تھا۔ پرندے روزانہ باغ پر حملہ کرتے اور نہ صرف بہت سارے انجیر کھا جاتے، بلکہ بہت سے انجیر زمین پر بھی گرا دیتے۔ بے چارہ مالی اور اس کا کم عمر بیٹا سارا دن ہو ہو، ہا ہا کر کے شور مچاتے اور خالی کنستر پیٹتے رہتے، تاکہ پرندے باغ سے دور رہیں۔ آج بوڑھے مالی کو قصبے کے بازار جانا تھا۔ بوڑھے مالی کی غیر موجودگی میں باغ کی نگرانی اس کے بیٹے کو کرنی تھی، مگر پچھلی رات سے اسے بخار تھا اور کم زوری کی وجہ سے وہ بستر سے اُٹھ نہیں سکتا تھا۔ بوڑھا مالی باغ کو پرندوں کے اُجاڑنے کے لیے یونہی نہیں چھوڑ سکتا تھا، مگر انگور اور انجیر بھی قصبے پہنچانا ضروری تھے۔ آخر اس نے ایک پرانا حربہ آزمانے کا فیصلہ کیا۔

اس کے لیے اسے دو لکڑیاں چاہیے تھیں۔ ایک لمبی اور دوسری اس سے نسبتاً چھوٹی۔ چند

کپڑوں کی دھجیاں اور ایک رسا۔ لکڑیوں کے لیے اس نے ایک پرانے سوکھے ہوئے درخت کا انتخاب کیا اور کلہاڑی سے اپنی ضرورت کے مطابق لکڑیاں کاٹ لیں۔ رسا اسے باغ سے ہی مل گیا۔ دھجیوں کے لیے اسے کچھ کوشش کرنا پڑی۔ آخر وہ چند پھٹے پرانے کپڑے ڈھونڈ نے میں کام یاب ہو ہی گیا۔ جب اسے اپنی ضرورت کی چیزیں مل گئیں تو اس نے لمبی لکڑی کو زمین پر لٹا کر چھوٹی لکڑی کو اس کے سرے پر ایک فٹ کا فاصلہ چھوڑ کر صلیب کی شکل میں مضبوطی کے ساتھ باندھ دیا۔ اب اس نے لمبی لکڑی کا ایک فٹ حصہ جو چھوڑا تھا، وہاں کپڑوں کی دھجیاں لپیٹنی شروع کر دیں جب دھجیاں ایک گول چہرے کی شکل اختیار کر گئیں تو اس نے آنکھوں کی جگہ دو سوراخ کر دیے یہاں اس نے دو کالی دھجیاں ٹھونس دیں۔ نیچے منہ کی جگہ

ایک چوڑا کٹ لگایا اور اس میں ایک سرخ کپڑا ٹھونس دیا، لیکن اس کا کچھ حصہ باہر رہنے دیا، گویا یہ اس گول چہرے کی زبان تھی۔ پھر اس نے ایک لمبا سے کرتا اپنے بنائے ہوئے پتلے کو پہنا دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے باغ کے درمیان میں ایک گڑھا کھودا، جس کی گہرائی دو فیٹ تھی۔ جب گڑھا تیار ہو گیا تو اس نے لکڑی کے اس پتلے کو اس گڑھے میں کھڑا کر دیا اور پاؤں سے خالی جگہ مٹی سے بھر دی۔ اب اس نے دور ہٹ کے دیکھا یہ پتلا ایک خوف ناک بلا کی طرح لگ رہا تھا۔

وہ ایک جگہ چھپ کر پرندوں کا انتظار کرنے لگا۔ پھر اس نے ایک پرندے کو ادھر آتے دیکھا۔ پرندہ اس خوف ناک بلا کو دیکھ کر واپس بھاگ نکلا تھا۔ بوڑھے مالی نے اطمینان کا سانس لیا اور انجیر اور انگور کے ٹوکرے چھکڑے پر لاد کے قصبے کی طرف روانہ ہو گیا۔

بھوک سے بے تاب پرندے نے مالی کو قصبے کی جانب جاتے دیکھا تو وہ پھر باغ کی طرف آ نکلا۔ اس نے دیکھا وہ لمبی بلا اب بھی باغ کے وسط میں بازو پھیلائے کھڑی تھی۔ وہ باغ کے اوپر چکر کاٹنے لگا۔ پھر وہ باغ کے کنارے والے ایک پیڑ پر آ بیٹھا اور چوکنا نظروں سے اس بلا کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ نیچے آیا اور تیزی سے ایک شاخ سے انجیر لے اُڑا اور دور ایک اونچے درخت پر بیٹھ کر نگل گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ بلا اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی تھی۔ صرف اس کے کپڑے ہوا سے ہل رہے تھے وہ دوبارہ نیچے آیا اور ایک اور انجیر لے اُڑا۔ اس بلا نے اب بھی اپنی جگہ سے حرکت نہ کی تو اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ پھر کچھ اور پرندے بھی جو پہلے ڈر رہے تھے، اس کے ساتھ آ ملے اور انجیروں پر ہلا بول دیا۔

دن ڈھلنے سے کچھ پہلے بوڑھا مالی اپنے چھکڑے پر خالی ٹوکرے لادے قصبے سے واپس

لوٹا۔ وہ اپنے صبح کے منصوبے پر بہت خوش تھا: ''اب میں نے ان پرندوں کا علاج ڈھونڈ لیا ہے۔''
اس نے اپنے آپ سے کہا۔

لیکن جب وہ اپنے باغ میں پہنچا تو ایک عجیب نظارہ اس کا منتظر تھا۔ پرندے اس کے بنائے ہوئے پتلے کے بازوؤں پر بیٹھے انجیریں نگل رہے تھے۔ کچھ پرندے اس کے گول سر میں چونچیں مار رہے تھے، جس سے دھجیوں کے ٹکڑے ہوا میں اُڑ رہے تھے۔ بوڑھے مالی نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ چیختا ہوا پرندوں کی طرف جھپٹا تو چالاک پرندے فضا میں پرواز کر گئے۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

فضیلہ ذکاء بھٹی
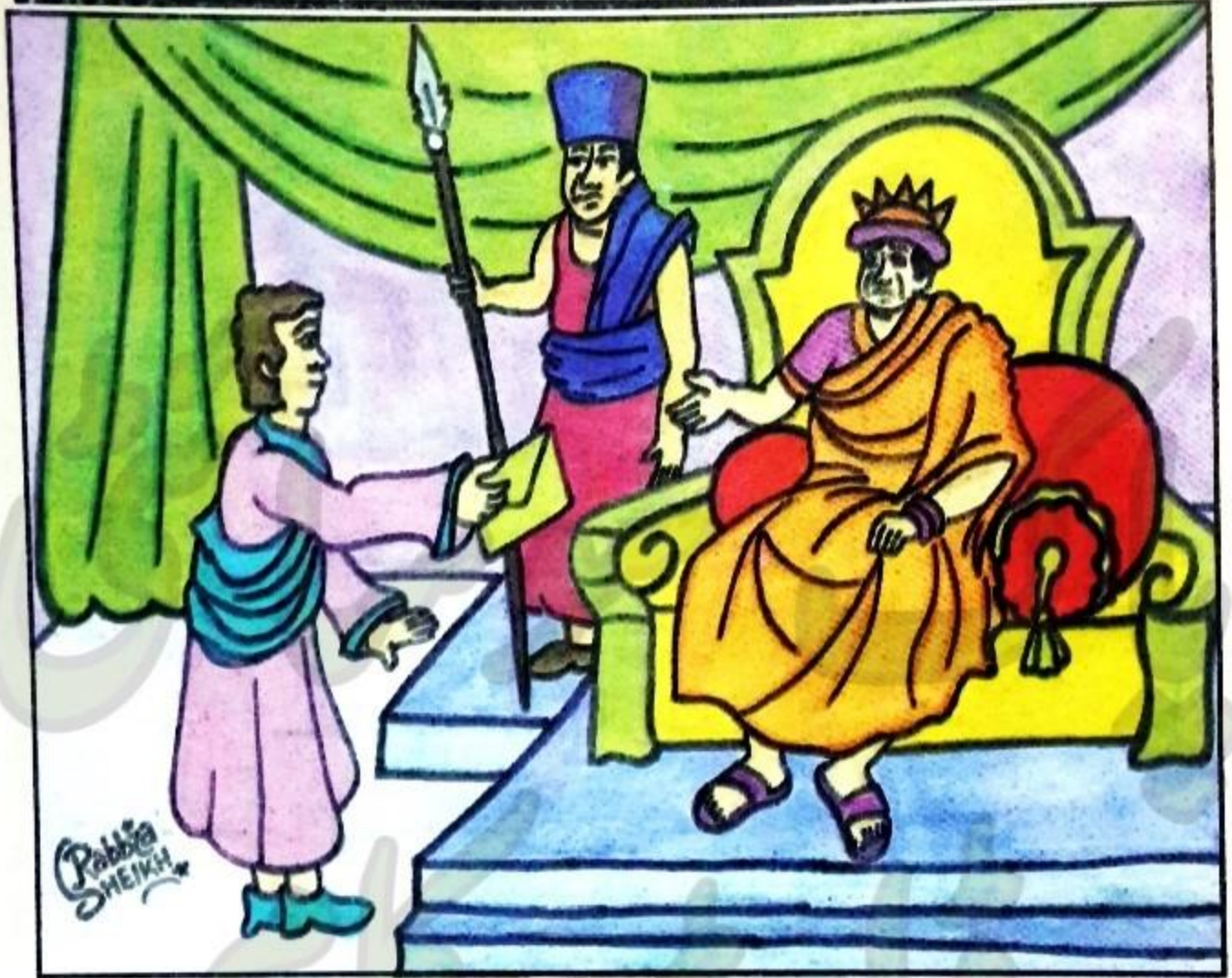
بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں تین آدمی رہتے تھے۔ ایک سردار تھا، دوسرا اس کا خادم اور تیسرا معمار تھا۔ سردار کا خادم، معمار سے حسد کرتا تھا، اس لیے اسے نقصان پہنچانے کی تاک میں لگا رہتا تھا۔

کچھ عرصے کے بعد جب سردار کا باپ چل بسا تو خادم کے لیے معمار سے نجات حاصل کرنے کا یہ بہترین موقع تھا۔ چنانچہ وہ ہر روز چھپ کر بدھ مت کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا۔ آخر اس نے قدیم طرز کی لکھائی پر عبور حاصل کرلیا۔ پھر اس نے اسی طرز

میں ایک خط لکھا اور اسے سردار کے حوالے کرتے ہوئے کہا: ''مالک! مجھے یہ تحریر ملی ہے۔ اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا، اس لیے میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں، تاکہ آپ اسے پڑھ دیں۔''

سردار اس تحریر کو دیکھ کر چکرا گیا۔ چنانچہ اس نے خط اپنے منشی کے حوالے کیا۔

تحریر پر نظر ڈالنے کے بعد منشی نے سردار سے کہا: ''یہ ایک خط ہے، جو ہمارے پرانے سردار یعنی آپ کے والد کے پاس سے آیا ہے۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ اب جنت میں ہیں اور وہاں ایک بڑے عہدے پر فائز ہیں، لیکن ان کے پاس ابھی کوئی حویلی نہیں ہے۔ حضور! انھوں نے یہ لکھا ہے کہ آپ اپنا سب سے ماہر معمار وہاں بھیج دیں، تاکہ وہ اپنی نگرانی میں ان کی حویلی تعمیر کروا سکے۔''

سردار اپنے والد کے انتقال کے بعد اکثر اسے یاد کرتا تھا۔ اسے یہ جان کر سخت دکھ ہوا کہ جنت میں اس کے باپ کے پاس رہنے کے لیے کوئی مناسب جگہ نہیں ہے۔ اس نے فوراً ہی اس معمار کو طلب کیا اور اسے اپنے والد کے خط کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا کہ فوراً جنت کی طرف روانہ ہو جاؤ۔

معمار یہ بات سن کر سخت پریشان ہوا۔ وہ انکار کرنے کی جرات کیسے کرتا؟ چنانچہ اس نے درخواست کی: ''مالک! میں آپ کی حکم عدولی بھلا کیسے کر سکتا ہوں، لیکن تیاری کے لیے کچھ وقت چاہیے۔ برائے مہربانی مجھے سات دن کی مہلت دے دیجیے۔ آٹھویں دن آپ میرے مکان کے پیچھے کھیت میں مجھے رخصت کرنے کے لیے گھاس پھونس کو نذرِ آتش کرنے کی رسم کا بندوبست کر دیجیے گا۔ پھر میں پرانے سردار کی حویلی تعمیر کرنے کے

لیے جنت کی طرف چلا جاؤں گا۔''

سردار کو معمار کی درخواست مناسب معلوم ہوئی۔ چنانچہ اس نے معمار کو سات دن کی مہلت دے دی۔

واپس آنے کے بعد معمار نے کچھ معلومات اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ چھوٹے سردار کو یہ تجویز کس نے دی ہے۔ آخر اسے معلوم ہو گیا کہ یہ خط سردار کے خادم نے لا کر دیا تھا۔ معمار نے غور کیا تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ خادم کی سازش کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ گھر آیا اور اپنی بیوی سے مشورہ کرنے لگا۔

اس نے اپنی بیوی سے کہا: ''ایک بہت ہی احمقانہ واقعہ پیش آیا ہے۔ سردار نے مجھے بُلا بھیجا تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ میں جنت میں جا کر ان کے والد کے لیے حویلی تیار

کروں۔ یقیناً سردار کو ان کے خادم نے ورغلایا ہے۔ مجھے انکار کرنے کی جرات نہ ہوگی، مگر میں نے یہ ضرور کہہ دیا ہے کہ میری روانگی سے قبل ہمارے مکان کے پیچھے والے کھیت میں گھاس پھونس نذرِ آتش کرنے والی رسم ضرور ادا ہونی چاہیے۔ میں سردار کی کھلم کھلا حکم عدولی نہیں کرسکتا اور میرے زندہ بچنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم دونوں راتوں کو چھپ کر اپنی خواب گاہ سے کھیت تک ایک سرنگ کھود ڈالیں۔ تم بعد میں مجھے اس کمرے میں چھپا سکتی ہو۔ ایک سال تک چھپے رہنے کے بعد میں باہر نکلنے کا طریقہ ڈھونڈ لوں گا۔''

اس کی بیوی کو یہ واقعہ سن کر بہت صدمہ پہنچا اور اس کے دل میں خادم کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکنے لگی۔ وہ اپنے شوہر کی جان بچانے کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھی۔ چنانچہ روزانہ رات کو دونوں میاں بیوی چھپ چھپ کر سرنگ کھودتے رہتے۔ آخر ساتویں دن یہ سرنگ مکمل ہوگئی۔ انھوں نے سرنگ کے دہانے پر پتھر کی سِل رکھ دی اور اس کے اوپر مٹی بچھا دی کہ کسی کو حقیقت کا علم نہ ہو سکے۔

آٹھویں دن سردار چند بزرگوں اور نوکروں کے ساتھ ڈھول باجے والوں کو لے کر معمار کو رخصت کرنے کے لیے آیا۔ ان لوگوں نے کھیت میں گھاس پھونس کا ڈھیر جمع کیا اور سردار نے معمار سے کہا کہ وہ اپنے اوزاروں کا تھیلا کندھے پر لٹکا لے۔ پھر انھوں نے معمار کو درمیان میں کھڑا کرنے کے بعد گھاس پھونس کو آگ لگا دی۔ دھواں آسمان کی طرف بلند ہونے لگا۔

سردار کا خادم ڈر رہا تھا کہ آگ لگنے کے بعد معمار چیخنے چلانے لگے گا اور اس طرح اس کے تمام منصوبے پر پانی پھر جائے گا۔ چنانچہ اس نے لوگوں کو متوجہ کرتے ہوئے

کہا: ''ڈھول باجے زور زور سے بجاؤ، ہنسو، گاؤ، تالیاں بجاؤ اور خوب خوشیاں مناؤ۔ اس لیے کہ معمار جنت میں پہنچ کر پرانے سردار کی حویلی تعمیر کرنے جا رہا ہے کیا یہ قابلِ فخر بات نہیں......؟''

سردار سلگتے ہوئے ڈھیر کے قریب آیا تو خادم نے خوشی سے چہکتے ہوئے اور اوپر کی طرف اُٹھتے ہوئے دھوئیں کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''مالک! وہ دیکھیے معمار تیزی سے جنت کی طرف جا رہا ہے۔''

سردار یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوا۔ ادھر جب ڈھیر میں آگ لگی اور دھواں آسمان کی طرف اُٹھنے لگا تو معمار نے پتھر کی سل اُٹھائی اور سرنگ میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔

معمار پورے ایک سال تک اپنے گھر میں چھپا رہا۔ اس عرصے میں اس کی بیوی اسے مزے مزے کی چیزیں کھلاتی رہی۔ چوں کہ کوئی کام کاج نہیں کرتا تھا، اس لیے اس کا رنگ کھل گیا اور وہ موٹا تازہ، سرخ و سفید نظر آنے لگا۔

ادھر معمار نے گھر بیٹھے بیٹھے بدھ مت کے مقدس صحیفوں کے رسم الخط پر عبور حاصل کر لیا۔ اس نے اسی رسم الخط میں ایک تحریر تیار کر کے اپنے پاس محفوظ کر لی۔ جنت میں پہنچنے کی پہلی سال گرہ کے موقع پر معمار اسی مقام پر جا کر کھڑا ہو گیا، جہاں اسے جلایا گیا تھا۔ وہی اوزاروں والا تھیلا اس کے کندھے پر لٹکا ہوا تھا۔ اس نے بلند آواز میں پکار کر کہا: ''تم سب لوگ کیسے ہو؟ میں ابھی ابھی جنت سے واپس آیا ہوں۔ سب سے پہلے اس کی بیوی گھر سے باہر نکلی اور جھوٹ موٹ حیرت اور خوشی کا اظہار کرنے لگی۔ پھر وہ خوشخبری سنانے کے

لیے سردار کی طرف دوڑی۔ سردار نے جب یہ سنا کہ معمار واپس آیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے ڈھول باجے کے ساتھ معمار کا استقبال کیا اور اسے اپنے ساتھ حویلی میں لے گیا۔ وہ یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین تھا کہ اس کا باپ جنت میں کس حال میں ہے۔

معمار نے بہت ہی سنجیدگی سے کہا: ''جب میں جنت میں حویلی بنا رہا تھا تو پرانے سردار نے مجھ سے بے انتہا شفقت کا برتاؤ کیا، بالکل اسی طرح جیسے آپ کرتے ہیں۔ اسی لیے میری صحت اتنی اچھی ہو گئی ہے۔ حویلی مکمل ہو چکی ہے۔ بہت ہی شان دار عمارت ہے۔ آپ کی موجودہ حویلی سے دس گنا زیادہ بڑی ہے، لیکن اس میں صرف ایک چیز کی کمی ہے، وہاں کوئی خادم نہیں ہے۔ پرانے سردار کو اپنا پرانا خادم بہت یاد آتا ہے۔ ان کی خواہش ہے کہ اسے ان کے پاس بھیج دیا جائے، تاکہ وہ ان کی دیکھ بھال کر سکے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ واپس آ سکتا ہے۔''

یہ کہتے ہی اس نے فوراً ہی وہ خط نکال کر سردار کے حوالے کر دیا: ''پرانے سردار نے خاص طور پر مجھے اس خط کے ساتھ یہاں بھیجا ہے۔''

سردار نے وہ خط اپنے منشی سے پڑھوایا اور اسے اس کہانی پر یقین آ گیا۔ اس نے فوراً معمار کو حکم دیا کہ خادم کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ وہ پرانے سردار کی خدمت کرنے کے لیے جنت جانے کے لیے تیار ہو جائے۔

جب خادم نے معمار کو ہشاش بشاش اپنے سامنے کھڑا پایا اور اس کی زبان سے جنت کا تمام حال سنا تو اس کا سر چکرانے لگا۔

''شاید میرے اندر کوئی جادوئی طاقت ہے۔'' اس نے سوچا: ''یہ میرا ہی خیال تھا

کہ معمار کو جنت میں بھیجا جائے اور واقعی وہ جنت سے ہو کر واپس آ گیا ہے، یعنی جنت کی طرف پرواز کرنا ممکن ہے اور پرانے سردار کے پاس واقعی حویلی موجود ہے۔''

چناں چہ اس نے معمار کی تقلید کرتے ہوئے سات دن کی مہلت مانگی۔ اس کا خیال تھا کہ جس طرح معمار واپس آ سکتا ہے اسی طرح وہ بھی واپس آ سکتا ہے۔ آٹھویں دن خادم نے اپنا تھوڑا سا سامان کندھے پر لٹکایا اور گھاس پھونس کے ڈھیر پر کھڑا ہو گیا۔ پھر ڈھول تاشوں کی گونج میں سردار نے ڈھیر کو آگ لگانے کا حکم دیا، تا کہ خادم جنت کے سفر پر روانہ ہو سکے، لیکن اس دفعہ نتیجہ بالکل مختلف رہا۔

ایک فرق تو یہ تھا کہ جب آگ بجھی تو راکھ اور کوئلوں کے ڈھیر میں جلی ہوئی انسانی ہڈیوں کا ڈھیر بھی دکھائی دیا۔ دوسرا فرق یہ تھا کہ خادم کبھی واپس نہ آیا۔ شاید اس نے اپنے پرانے سردار کی خدمت کرنے کے لیے جنت میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

☆☆☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ 99 پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸- دسمبر ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

علم کا دِیا جلائیں گے

محمد شفیق اعوان

علم کا دِیا جلائیں گے روشنی ہم پھیلائیں گے

بھٹکے ہوئے ہر راہی کو سیدھا رستہ دکھائیں گے

دل سے مٹا کر نفرت کو پیار کے نغمے گائیں گے

مدد کی جنھیں ضرورت ہوگی کام ہم ان کے آئیں گے

شیطان کے رستے سے بچو! سب کو ہم بچائیں گے

ظلم و ستم کے ماروں کو ہم انصاف دلائیں گے

دین کی خاطر اپنا شفیق جان و مال لٹائیں گے

نونہال خبر نامہ

سلیم فرخی

۱۰۴ سالہ "جوان" نے ریس جیت لی

جب کسی کام کو کرنے کی لگن ہو تو عمر آڑے نہیں آتی۔ اسے ایک کارنامہ ہی کہا جائے گا، جو پولینڈ کے ۱۰۴ سالہ بوڑھے نے انجام دے ڈالا۔ عمر کے اس حصے میں جب لوگ اپنے گھر تک محدود ہو جاتے ہیں، تب "اسٹینس لا کوواسکی" نامی ایک بوڑھے نے سو میٹر میں رکارڈ بنانے کی ٹھانی۔ کوواسکی نے مقررہ فاصلہ ۷۹۔ ۳۲ سیکنڈوں میں طے کر کے یورپین رکارڈ بنالیا۔ ۱۹۱۰ء میں پیدا ہونے والے کوواسکی نے زندگی بھر کبھی ریس میں حصہ نہیں لیا، بلکہ انھیں دوڑنے کا شوق ۱۰۰ سال کی عمر کے بعد ہوا۔

۹۹ سالہ امریکی خاتون کو ۷۵ سال بعد ڈگری مل گئی

امریکی ریاست "مین" کے ایک شہر بنگور میں ۹۹ سالہ خاتون نے گریجویشن کرنے کے ۷۵ سال بعد آخر ڈگری حاصل کر ہی لی۔ "جیسی وائٹ" نامی خاتون نے ۱۹۳۹ء میں ایک کالج سے گریجویشن کیا تھا، لیکن ۵ ڈالر فیس ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کی گریجویشن کی ڈگری روک لی گئی۔ حال ہی میں جیسی وائٹ کے عزیزوں نے کالج کے صدر سے رجوع کیا، جنھوں نے پرانا رکارڈ دیکھ کر خود ہی فیس ادا کی اور جیسی وائٹ کے لیے خصوصی تقریب کا بھی اہتمام کیا، جہاں انھیں باقاعدہ طور پر گریجویشن کی سند سے نوازا گیا۔ ☆

پہلوانیاں

نوشاد عادل

''جاپان کے مشہور پہلوان ''ہوشنگ مسٹنڈا'' کا کھلا چیلنج...... پاکستانی پہلوان پٹیل نے قبول کر لیا۔'' سلیم صاحب نے اخبار کی سرخی پڑھ کر سنائی۔

''مبارک ہو، آپ کو پٹیل صاحب! بہت بہت مبارک ہو۔'' اکرم نے پٹیل صاحب سے زبردستی ہاتھ ملایا۔

''خیر مبارک۔'' پٹیل صاحب نے دانت نکالے: ''مگر یہ ہے کون؟ میرے علاوہ دوسرا پٹیل......''

''بھئی دوسرا اور کون ہوگا، یہ آپ ہی ہیں۔'' ڈاکٹر صاحب نے حسب عادت پان چباتے ہوئے کہا۔

''جاپان مسٹنڈے کا چیلنج آپ نے ہی قبول کیا ہے تین بار۔'' واحد بھائی نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

''یعنی کہ میں لڑوں گا۔'' پٹیل صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

''تو اور کیا میرے ابو لڑیں گے۔'' اونگھتے ہوئے ریاض بھائی نے جھٹکے دار آواز میں کہا۔

''بھئی سلیم صاحب! پوری خبر تو پڑھ کر سنائیں۔'' شاہ محمد نے فرمائش کی۔

''اچھا بھئی پٹیل صاحب! سنیں۔'' سلیم صاحب نے اپنا چشمہ درست کرتے ہوئے اخبار جھٹکا اور خبر سنانے لگے: ''جاپان کے مشہور اور گولڈ میڈل یافتہ پہلوان ہوشنگ

مسٹنڈے کی پاکستان آمد پر پاکستان کے پہلوانوں کو کھلا چیلنج ۔ جیتنے والے کے لیے ڈھائی لاکھ رُپے انعام کا اعلان۔ جواب میں پاکستان کے ایک غیر معروف پہلوان مسٹر پٹیل نے چیلنج قبول کرلیا۔ ایک ہفتے بعد دونوں پہلوانوں میں مقابلہ ہوگا۔''

پٹیل صاحب کا چہرہ مرجھا گیا۔ وہ رونی آواز میں بولے: ''اے بھائی! میں نے کب اس مُسٹنڈے کا چیلنج قبول کیا ہے، مجھے کہاں آتی ہے پہلوانی۔''

''یہ چیلنج آپ کی طرف سے ہم نے قبول کیا ہے۔'' ڈاکٹر صاحب نے انکشاف کیا۔

''میں نے، یعنی ڈاکٹر صاحب اور ریاض صاحب نے۔'' واحد بھائی نے مزید بتایا۔

''مر گیا......'' پٹیل صاحب کے ہاتھ پیر ڈھیلے ہوگئے۔

''نہیں پٹیل صاحب! آپ نہیں مریں گے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ یہ مقابلہ جیت کر ڈھائی لاکھ رپے جیت لیں گے۔ اس میں سے ایک لاکھ آپ کا اور پچاس پچاس ہزار ہم تینوں کے ہوں گے۔'' واحد بھائی نے اصل بات اب بتائی۔

''مگر بھائی! مجھے تو پہلوانی نہیں آتی۔'' پٹیل صاحب ایک لاکھ کا سن کر تھوڑا سنبھل گئے۔

''آپ نے ہی تو بتایا تھا کہ ایک دفعہ آپ کے خاندان میں کوئی پہلوان بھی گزرا ہے۔'' ریاض بھائی نے انھیں یاد دلایا۔

''وہ تو ہمارے خاندان میں کسی کا چالیسواں تھا۔ سب خاندان والے گلی میں چارپائی بچھا کر بیٹھے ہوئے ہنسی مذاق میں مصروف تھے، بس اُدھر سے ایک پہلوان سائیکل پر ہمارے خاندان والوں کے درمیان میں سے گزر گیا تھا۔'' پٹیل صاحب نے اپنی شیخی کا بھانڈا خود پھوڑ دیا۔

''بھئی گزرا تو ہے نا۔ اب وہ سائیکل پر گزرا ہو یا پیدل۔'' ڈاکٹر صاحب جذباتی سے ہو گئے۔

''مگر مجھے تو لڑنا نہیں آتا۔'' پٹیل صاحب بے بسی سے بولے: ''وہ تو مار مار کر میری ہڈی پسلی ایک کر دے گا۔''

''بھئی سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔ اگر وہ آپ کی تمام ہڈیاں توڑ ڈالے تو بھی سب اپنی اپنی جگہ پر دوبارہ نصب ہو سکتی ہیں۔'' ریاض بھائی نے دوبارہ آنکھیں کھول کر کہا۔

''ارے بھئی، آپ فکر نہ کریں ہم تینوں ہیں نا آپ کے ساتھ۔'' واحد بھائی نے پٹیل صاحب کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا: ''اور پھر ہم تینوں آپ کو پہلوانی کے تمام داؤ پیچ سکھا دیں گے۔ اس کے لیے ہم ایک پہلوان استاد کی خدمات حاصل کریں گے۔ میں نے ان سے بات بھی کر لی ہے۔ استاد کاکڑی، نام ہے اُن کا۔''

''اور آج شام کو آپ ہمارے ساتھ استاد کاکڑی کے اکھاڑے میں چلیں گے۔'' ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

......☆......

''وہ کہاں ہے پاپڑی پہلوان؟'' پٹیل صاحب نے اکھاڑے کے قریب پہنچ کر واحد بھائی کے کان میں کہا۔

''پاپڑی نہیں، کاکڑی پہلوان۔ وہ رہا سامنے۔'' واحد بھائی نے اشارے سے بتایا۔

پٹیل صاحب نے سامنے صحن میں دیکھا، جہاں ایک بڑا سا تخت بچھا ہوا تھا اور اس پر ایک انتہائی دُبلا پتلا آدمی بیٹھا تھا۔ دو موٹے موٹے خدمت گار اس کے ہاتھ پیر دبا رہے تھے۔

''مجھے تو لگتا ہے ان دونوں خدمت گاروں نے دبا دبا کر اسے دبلا کر دیا ہے۔''
ڈاکٹر صاحب نے سرگوشی کی۔

''سارا دم نکال دیا غریب کا۔'' پٹیل صاحب ہمدردانہ لہجے میں بولے۔

''ہاں بھئی، آ گئے تم۔'' کاکڑی پہلوان نے لیٹے لیٹے واحد بھائی سے کہا:
''کہاں ہے تمھارا پہلوان؟''

''یہ رہے۔'' واحد بھائی نے پٹیل صاحب کا ہاتھ بلند کیا: ''بس اب جلدی سے انھیں داؤ پیچ سکھا دیں۔''

کاکڑی پہلوان تخت سے اُتر کر پٹیل صاحب کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا:
''پہلوانی کا سب سے پہلا اصول غصہ ہے۔ اپنے دشمن کو غصہ دکھاؤ، شیر کی طرح دہاڑ مارو۔''

پٹیل صاحب نے غصے سے آنکھیں نکال کر زوردار چیخ ماری۔ کاکڑی پہلوان ان کی چیخ سے اسپرنگ کی طرح جھنجھنا کر رہ گیا۔ پھر بولا: ''اور......اور غصہ۔''

پٹیل صاحب نے دونوں ہاتھ رانوں پر مارے اور گوریلے کی طرح اپنے سینے پر ہاتھ مار کر چلّائے۔

کاکڑی طیش دلاتے ہوئے بولا: ''یہ کوئی غصہ ہے؟ میرے بھائی غصہ دکھاؤ......غصہ۔''

پٹیل صاحب نے جوش میں اپنے بال پکڑ لیے اور زور سے فرش پر پہاڑی بکرے کی طرح پیر مارے، پھر کاکڑی پہلوان کی کھوپڑی پکڑ کر اس کے کان میں ہاتھی کی طرح چنگھاڑ ماری۔ چند سیکنڈ کے لیے کاکڑی پہلوان کی عقل رخصت ہو گئی۔ جب دوبارہ واپس آئی تو وہ پھر چیخا: ''اور......اور......شاباش......اور غصہ...... پاگل ہو جاؤ غصے میں۔''

یہ سنتا تھا کہ پٹیل صاحب نے آستینیں اور پائینچے چڑھا کر کاکڑی پہلوان کی کھوپڑی پکڑی اور اس کے کان پر زور سے کاٹ لیا۔ کاکڑی پہلوان درد کے مارے چیخیں مارنے لگا۔ اس کے خدمت گار بھی ڈر گئے۔ واحد بھائی، ڈاکٹر صاحب اور ریاض بھائی نے بڑی مشکل سے پٹیل صاحب کے چنگل سے کاکڑی پہلوان کو چھڑایا۔

''یہ کیا کیا تم نے؟'' کاکڑی پہلوان کان پر ہاتھ رکھ کر چیخا۔

''تم نے ہی تو کہا تھا کہ غصہ دکھاؤ...... اور دکھاؤ...... اب دکھایا تو تم مجھ پر غصہ ہو رہے ہو۔'' پٹیل صاحب پہلے جیسے ہو گئے۔

کاکڑی پہلوان نے اپنے ایک خدمت گار سے کہا: ''ذرا، جمبو کو باہر نکالو۔''

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا: ''یہ جمبو کیا شے ہے بھلا؟''

کاکڑی پہلوان کان مسلتے ہوئے بولا: ''ابھی پتا لگ جائے گا۔ اب باقی کے داؤ پیچ جمبو سکھائے گا۔''

خدمت گار نے ایک کمرے کا دروازہ کھولا اور بھاگ کر دور ہٹ گیا۔ اگلے ہی لمحے کمرے میں سے جمبو چھلانگ مار کر باہر نکل آیا۔ وہ ایک خطرناک مینڈھا تھا۔ اسے دیکھ کر پٹیل صاحب، واحد بھائی، ڈاکٹر صاحب اور ریاض بھائی کی سٹی گم ہو گئی۔ کاکڑی پہلوان، پٹیل صاحب کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے جمبو سے مخاطب ہوا: ''یہ رہا تیرا شکار، لگا دے اس کی پٹائی اور مار دے زبردست ٹکر۔''

یہ سنتا تھا کہ جمبو اگلے پیر زمین پر مار کر بجلی کی رفتار سے دوڑا اور ایک بھیانک ٹکر دے ماری، مگر یہ ٹکر پٹیل صاحب کے بجائے کاکڑی پہلوان کو ماری تھی۔ کاکڑی پہلوان

ہوا میں اُڑ گیا اور سیدھا پانی سے بھرے مٹکے سے جا ٹکرایا۔ مٹکا ٹوٹ گیا اور کاکڑی پہلوان پانی پانی ہوگیا۔ اس کے سنبھلنے سے پہلے مینڈھا دوبارہ اس کی جانب آیا اور اسے ٹکریں مار مار کر اَدھ مُوا کر ڈالا۔

واحد بھائی جلدی سے بولے: '' نکلو بھئی...... یہاں سے...... لگتا ہے اس نے مینڈھے کو بھوکا رکھا ہوا تھا وہ اسی بات کا، کاکڑی پہلوان سے انتقام لے رہا ہے۔''

'' ارے یہ ریاض صاحب کہاں چلے گئے؟'' ڈاکٹر صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ تب انھوں نے دیکھا کہ ریاض بھائی کاکڑی پہلوان کے تخت پر جا کر سو گئے تھے۔ خدمت گار اپنے استاد کو مینڈھے کے شر سے بچانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ واحد بھائی نے ریاض بھائی کو جگایا اور اس طرح وہ چاروں باہر نکلنے میں کام یاب ہو گئے۔

......☆......

مقابلے میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ واحد بھائی، ڈاکٹر صاحب اور ریاض صاحب اپنی سمجھ کے مطابق پٹیل صاحب کو مشقیں کروا رہے تھے۔ ان کی خوب کھلائی پلائی کی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے انھیں کراٹے کے دو چار ہاتھ بھی سکھا دیے تھے۔

آخری دن شام کو واحد بھائی نے اپنا موبائل فون نکالا اور پٹیل صاحب سے کہا: '' میں ہوشنگ مسٹنڈے کا نمبر ملا رہا ہوں، آپ اس سے بات کریں اور کہہ دیں کہ کل مقابلے کے لیے تیار رہنا۔ ساتھ میں تھوڑا ڈرا، دھمکا دینا۔ اس پر آپ کا رعب پڑے گا۔''

'' مگر...... مگر مجھے جاپانی نہیں آتی۔'' پٹیل صاحب ہکلائے۔

'' کوئی بات نہیں، اسے اردو نہیں آتی۔ حساب برابر۔'' ڈاکٹر صاحب مسکرائے۔

واحد بھائی نے نمبر ملا کر کہا: ''ہاں کون؟ مسٹنڈ ا بھائی! ہاں یہ بات کریں پٹیل صاحب سے۔'' یہ کہہ کر انھوں نے پٹیل صاحب کو موبائل تھما دیا۔

پٹیل صاحب نے موبائل کان پر لگایا اور انکساری کے ساتھ بولے: ''ہیلو...... کون صاحب بات کر رہے ہیں؟''

ڈاکٹر صاحب نے انھیں ٹوکا: ''بھئی ابھی تو بتایا ہے ہوشنگ مسٹنڈا بات کر رہا ہے۔''

پٹیل صاحب دوبارہ بولے: ''السلام علیکم، مسٹنڈا بھائی! جی...... جی...... کیا...... کیا کہا۔''

پھر وہ موبائل ہٹا کر واحد بھائی سے بولے: ''پتا نہیں کیا بول رہا ہے۔''

''آپ دھمکیاں دیں، ڈرائیں اُسے۔'' واحد بھائی نے جلدی سے کہا۔

پٹیل صاحب نے سر ہلاتے ہوئے موبائل ایک بار پھر کان سے لگایا اور موٹی آواز بنا کر بولے: ''تم جانتے ہو میں کون ہوں...... کیا...... کیا کہا...... پوچنگ شی...... اودبلاؤ...... تم خود ہو گے اود بلاؤ...... کل تمھاری زندگی کا آخری دن ہے۔ تم نے پٹیل سے ٹکر لی ہے۔ ہا آ آ آ آ......'' آخر میں پٹیل صاحب نے ٹارزن کی طرح آواز ماری اور لائن کاٹ دی۔

واحد بھائی، ریاض بھائی اور ڈاکٹر صاحب تالیاں بجانے لگے۔ اکرم نے کہا: ''پٹیل صاحب! اپنا سر اس کی ناک پر مار کر نکسیر پھوڑ دینا۔''

ریاض بھائی نے چونک کر کہا: ''کون سی ناک...... جاپانیوں کی ناک تو پہلے ہی چپٹی ہوتی ہے۔''

''بھئی آپ فکر نہ کریں۔'' ڈاکٹر صاحب کے ہونٹوں پر شیطانی مسکراہٹ اُبھر

آئی: ''میں ایسی ترکیب بتاؤں گا کہ آپ لازماً یہ مقابلہ جیت جائیں گے۔''

......☆......

کافی بڑا اکھاڑا تھا۔ اکھاڑے کے گرد بہت سے تماشائی جمع تھے۔ مختلف چینلوں کے لوگ بھی مقابلے کی رکارڈنگ کے لیے آئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب، ریاض بھائی اور واحد بھائی اکھاڑے کے نزدیک پٹیل صاحب کے پاس کھڑے تھے۔ واحد بھائی، پٹیل صاحب کے کان میں کچھ بول رہے تھے اور وہ احمقوں کی طرح گردن ہلا رہے تھے۔ آخر میں واحد بھائی نے کہا: ''ٹھیک ہے، سمجھ گئے؟''

''کیا چیز؟'' پٹیل صاحب نے سر کھجایا۔

''ابھی اتنی دیر سے اور میں کیا غزل سنا رہا تھا؟'' واحد بھائی بھنا گئے۔

''اچھا، اچھا وہ جو آپ نے داؤ بتایا ہے۔ ہاں وہ تو میں سمجھ گیا ہوں۔'' پٹیل صاحب نے دانت نکالے۔

تھوڑی دیر بعد مقابلہ شروع ہونے کا اعلان ہوا اور ہر طرف شور مچ گیا۔ جاپانی پہلوان اکھاڑے میں آ گیا۔ پٹیل صاحب نے اسے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اب جو دیکھا تو ان کے پیر پھول گئے۔ وہ اچھا خاصا ٹھوس اور مضبوط جسم کا چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ پٹیل صاحب گھبرا کر اکھاڑے سے باہر آنے لگے تو واحد بھائی اور ڈاکٹر صاحب نے انھیں زبردستی اندر دھکیل دیا۔ گھنٹی بجی اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ پٹیل صاحب دونوں ہاتھ اُٹھا کر اپنی زندگی اور سلامتی کی دعا مانگنے لگے۔ اتنے میں ہوشنگ پہلوان نزدیک آیا اور جھک کر پٹیل صاحب کے گرد ہاتھوں کا حلقہ ڈال کر دبانے لگا۔ پٹیل صاحب نے دعا کے لیے اُٹھے

ہاتھ ہوشنگ کی کمر پر دے مارے اور پھر اس کے بال پکڑ کر کھینچنے لگے۔ ہوشنگ کی چیخیں نکل گئیں۔ تماشائیوں کا جوش بڑھنے لگا۔ اگلے ہی لمحے ہوشنگ نے سنبھل کر پٹیل صاحب کی ٹانگوں میں اپنی ایک ٹانگ پھنسائی اور انھیں نیچے گرا دیا۔

''اوئی ی ی ی......امی جی ی ی......'' پٹیل صاحب چلاّئے۔

پھر پٹیل صاحب نے پوری قوت لگاتے ہوئے ہوشنگ کو اپنے اوپر سے اُچھالا اور خود نکل کر اکھاڑے سے باہر نکل گئے۔ لوگ چیخنے چلاّنے اور سیٹیاں بجانے لگے۔ واحد بھائی، ڈاکٹر صاحب گھبرا گئے تھے۔ پٹیل صاحب نا جانے کہاں چھپ گئے تھے۔ ہوشنگ ہاتھ اُٹھا کر فاتحانہ انداز میں کھڑا تھا اور پھر سب لوگوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ اونگتے ہوئے ریاض بھائی کو جیسے جھٹکے سے ہوش آیا اور وہ اکھاڑے میں داخل ہو کر ہوشنگ کے سامنے کھڑے ہوئے۔

ریاض بھائی نے ہوشنگ کو چیلنج کرتے ہوئے کہا: ''اب مجھ سے لڑو...... میں پٹیل پہلوان کا چچازاد بھائی ہوں۔ وہ کسی ضروری کام سے گھر چلے گئے ہیں۔ باقی مقابلہ مجھ سے کرو۔''

ہوشنگ نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور حملہ کر دیا۔ ریاض بھائی نے ہوشنگ کو گود میں اُٹھا لیا اور جُھولا جُھلاتے ہوئے لوری دینے لگے۔ ہوشنگ نے ان کے پیٹ پر گھونسا مارا۔ ریاض بھائی نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ اکھاڑے کے فرش پر گر گیا۔ اگلے ہی لمحے ریاض بھائی اس پر بیٹھ گئے۔ ہوشنگ کی چیخیں نکل گئیں۔ ریاض بھائی کو نیند آ گئی اور وہ بیٹھے بیٹھے ہی سو گئے۔ ہوشنگ درد کے مارے چلاّتا رہا اس کی سانس رُک رہی تھی۔ اس

نے ہار ماننے کا اشارہ کیا اور گھنٹی بج گئی۔ ریاض بھائی دو منٹ میں ہی یہ مقابلہ جیت گئے تھے۔ واحد بھائی اور ڈاکٹر صاحب ناچتے ہوئے اکھاڑے میں آ گئے اور دونوں مل کر ریاض بھائی کو کندھوں پر اُٹھانے کی کوشش کرنے لگے، لیکن ریاض بھائی بالکل ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لُڑھک کر ڈاکٹر صاحب اور واحد بھائی کے اوپر جا پڑے۔ دونوں ان کے بوجھ تلے دب گئے۔ ریاض بھائی ان کی چیخوں سے لاتعلق گہری نیند میں خواب دیکھ رہے تھے۔ بہر حال ریاض بھائی یہ مقابلہ جیت کر ڈھائی لاکھ رپے کے حق دار قرار پائے تھے۔ ☆

آپ کی تحریر کیوں نہیں چھپتی؟

اس لیے کہ تحریر: ◆ دل چسپ نہیں تھی۔ ◆ بامقصد نہیں تھی۔ ◆ طویل تھی۔ ◆ صحیح الفاظ میں نہیں تھی۔ ◆ صاف صاف نہیں لکھی تھی۔ ◆ پنسل سے لکھی تھی۔ ◆ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھی تھی۔ صفحے کے دونوں طرف لکھی تھی۔ ◆ نام اور پتا صاف نہیں لکھا تھا۔ ◆ اصل کے بجائے فوٹو کاپی بھیجی تھی۔ ◆ نونہالوں کے لیے مناسب نہیں تھی۔ ◆ پہلے کہیں چھپ چکی تھی۔ ◆ معلوماتی تحریروں کے بارے میں یہ نہیں لکھا تھا کہ معلومات کہاں سے لی ہیں۔ ◆ نصابی کتاب سے بھیجی تھی۔ ◆ چھوٹی چھوٹی کئی چیزیں مثلاً شعر، لطیفہ، اقوال وغیرہ ایک ہی صفحہ پر لکھے تھے۔

تحریر چھپوانے والے نونہال یاد رکھیں کہ

◆ ہر تحریر کے نیچے نام پتا صاف صاف لکھا ہو۔ ◆ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہرگز نہ لکھیے۔ ◆ تحریر بھیجنے سے پہلے یہ نہ پوچھیں کہ "کیا یہ چھپ جائے گی؟" ◆ مختصر صاف لکھی ہوئی تحریر کے باری جلد آتی ہے۔ ◆ نظم کسی بڑے سے اصلاح کر کے بھیجیے۔ ◆ نونہال مصور کے لیے تصویر کم از کم کاپی سائز کے سفید موٹے کاغذ پر گہرے رنگوں میں بنی ہو۔ ◆ تصویر کے اوپر نام نہ لکھیے بلکہ تصویر کے پیچھے لکھیے۔ ◆ تصویر خانہ کے لیے بھیجی گئی تصویریں جب ماہرین مسترد کر دیتے ہیں تو وہ ضائع ہو جاتی ہیں۔ واپس منگوانا چاہتے ہوں تو پتے کے ساتھ جوابی لفافہ ساتھ بھیجیے۔ ◆ تصویر کے پیچھے بچے کا نام اور جگہ کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ بیت بازی کا ہر شعر الگ کاغذ پر ٹھیک ٹھیک لکھ کر شاعر کا صحیح نام ضرور لکھیے۔ ◆ ہنسی گھر کے لیے ہر لطیفہ الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ لطیفے گھسے پٹے نہ ہوں۔ ◆ روشن خیالات کے لیے ہر قول الگ کاغذ پر لکھیے۔ ◆ قول بہت مشکل نہ ہو۔ ◆ علم دریچے کے لیے جہاں سے بھی کوئی ٹکڑا لیا ہو، اس کا حوالہ اور مصنف کا نام ضرور لکھیے۔ ◆ تحریر کسی مخصوص فرقے، طبقے یا ملکی قانون کے خلاف نہ ہو۔ ◆ طنزیہ اور مزاحیہ مضمون شائستہ ہو، کسی کا مذاق اڑانے یا دل دکھانے والا نہ ہو۔ ◆ نونہال بلا عنوان کہانی نہ بھیجیں۔ ◆ تحریر کی نقل اپنے پاس رکھیے تاکہ چھپنے کے بعد ملا کر دیکھ سکیں کہ تحریر میں کیا کیا تبدیلی کی گئی ہے۔ ◆ اشاعت سے معذرت میں صرف کہانیوں اور مضامین کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ◆ باقی چھوٹی چھوٹی تحریریں ناقابل اشاعت ہونے پر ضائع کر دی جاتی ہیں۔ ◆ تحریر، تصویر وغیرہ ارسال کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خط بھیجنے کا ہے۔ ◆ کوپن اور کسی بھی تحریر پر صرف ایک نام لکھیے۔ ◆ اچھی تحریر لکھنے کے لیے زیادہ مطالعہ اور مسلسل محنت بہت ضروری ہے۔

(ادارہ)

محمد حسین اِنوکی

محمد راحیل وارثی

عالمی شہرت یافتہ سابق ریسلر اور جاپانی پارلیمنٹ کے رکن محمد حسین اِنوکی ۲۰ فروری ۱۹۴۳ء کو ''یوکوہاما'' میں ایک بااثر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ پیدائش کے وقت ان کا نام '' کانجی اِنوکی'' رکھا گیا۔ ان کے والد سجیرو اِنوکی تاجر اور سیاست داں تھے۔ جب ان کا انتقال ہوا تو انوکی محض پانچ برس کے تھے، وہ جب اسکول کے ساتویں گریڈ میں تھے تو باسکٹ بال ٹیم میں شامل ہوگئے تھے۔ بعد میں وہ اس سے علاحدہ ہوگئے۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد ان کے خاندان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، لہٰذا ۱۹۵۷ء میں ان کا خاندان جاپان سے برازیل منتقل ہوگیا۔ محمد حسین اس وقت چودہ برس کے تھے۔ جب وہ سترہ سال کے تھے تو واپس جاپان آگئے اور جاپان کی ریسلنگ ایسوسی ایشن میں ''رکیڈوزن'' کے شاگرد بن گئے۔

ریسلنگ میں انھوں نے بڑا نام کمایا اور ان کا شمار نامی گرامی پہلوانوں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے ریسلنگ کی دنیا میں ۳۰ ستمبر ۱۹۶۰ء کو قدم رکھا اور ۳۸ سال بعد ۴- اپریل ۱۹۹۸ء کو ریٹائر ہوئے۔ انھوں نے ورلڈ ریسلنگ فیڈریشن کے کئی اعزاز جیتے۔

ان کا قد چھے فیٹ تین انچ ہے۔ دورانِ مقابلہ وہ باکسنگ، جوڈو کراٹے، کنگ فو، سومو ریسلنگ کے ماہر نظر آتے تھے۔ انھوں نے ۱۹۷۱ء میں اداکارہ ''متسو کو ہیشو'' سے شادی کی۔ ان کی ایک بیٹی ''ہیروکو'' ہے۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں انطونیو انوکی کے ہاتھوں پاکستانی پہلوان اکرم کی شکست کے بعد بھولو برادران اس سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب تھے، چناں چہ انھوں نے ۱۹۷۸ء میں اسے دوبارہ مقابلے کا چیلنج دیا۔ اس مرتبہ مقابلے کے لیے اسلم پہلوان کے بیٹے زبیر عرف جھارا پہلوان کو میدان میں اُتارا گیا۔

۱۷ جون ۱۹۷۹ء کو لاہور کے قذافی اسٹیڈیم میں دونوں پہلوان مقابل آئے۔ ابتدا ہی سے جھارا پہلوان انوکی پر چھایا رہا۔ پانچ منٹ کے پانچ راؤنڈ تک کوئی پہلوان پوائنٹ نہ لے سکا۔ چھٹا اور آخری راؤنڈ دس منٹ تک جاری رہنا تھا، چھٹا راؤنڈ شروع ہوتے ہی انوکی نے جھارا کا ہاتھ پکڑ کر بلند کر دیا اور اپنی شکست تسلیم کر لی۔

محمد حسین انوکی نے اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ۱۹۸۹ء میں سیاست میں قدم رکھا اور پھر جاپان کے ایوانِ بالا میں پہنچ کر پارلیمنٹ کے رکن بنے۔

☆☆☆
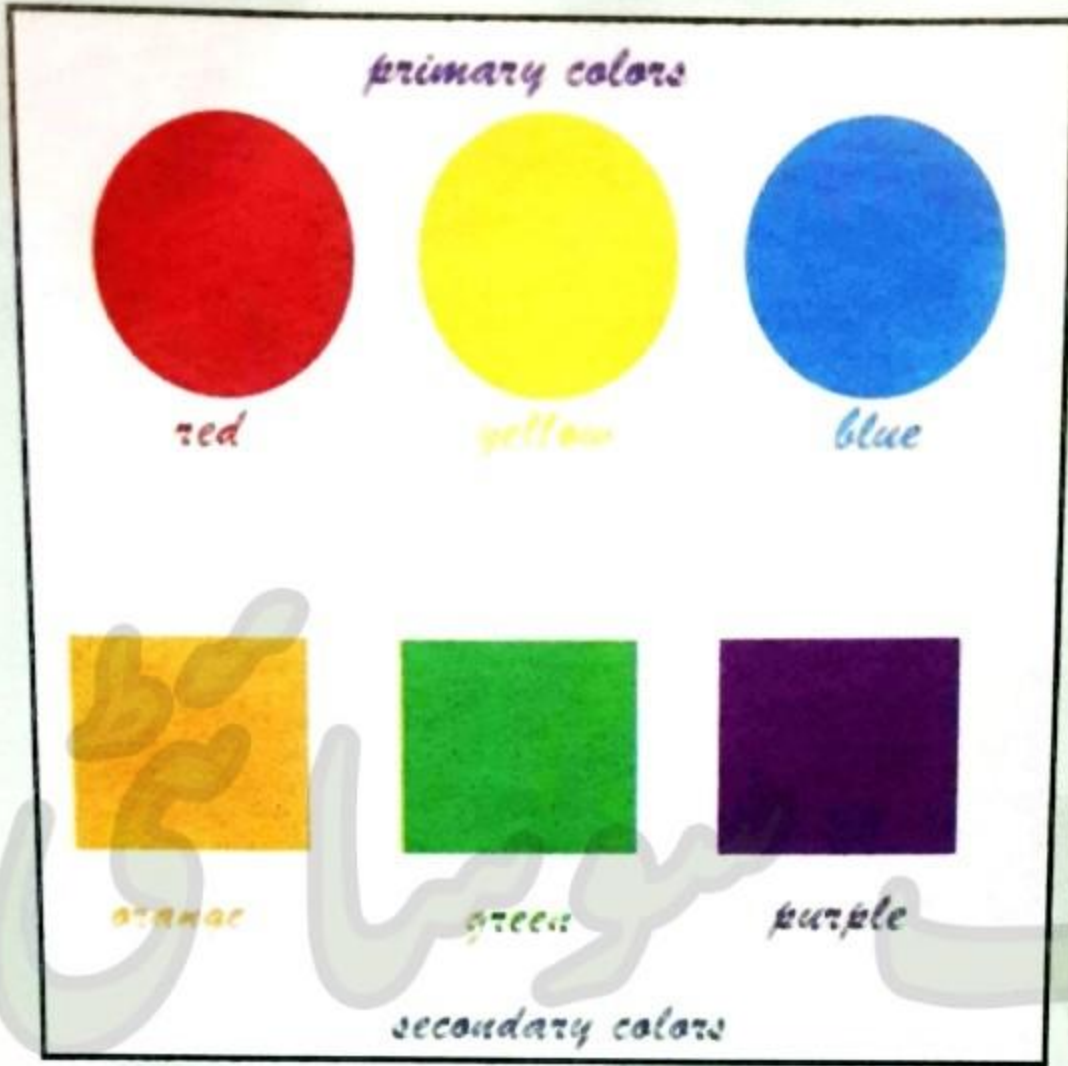
آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

primary colors

red yellow blue

orange green purple

secondary colors

مصوری میں خاکہ بنانے کے بعد رنگ بھرنے میں بھی مہارت کی ضرورت ہے۔ تصویر میں کس رنگ کے ساتھ کون سا رنگ زیادہ دل کش لگے گا۔ رنگوں کو کئی درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مثلاً بنیادی رنگ، ثانوی رنگ، درمیانی رنگ۔ بنیادی رنگ صرف تین ہیں: نیلا، پیلا اور سرخ۔ ثانوی رنگ وہ ہیں، جو انھیں تین بنیادی رنگوں کو ملا کر بنائے جاتے ہیں جیسے جامنی، سبز اور نارنجی۔ جب ایک بنیادی رنگ کو اس کے قریبی ثانوی رنگ سے ملایا جاتا ہے تو وہ درمیانی رنگ کہلاتا ہے۔ مختلف رنگوں کو ملا کر نیا رنگ بنانا خود ایک دل چسپ عمل ہے۔ تجربے کے لیے ایک ہی طرح کے خاکوں میں مختلف ثانوی رنگ بھر کر دیکھیں۔ ☆

راتوں رات

روا انور شہزاد

بلال اور شایان بہت گہرے دوست تھے۔ ایک ہی اسکول میں دسویں میں پڑھتے تھے۔ بلال اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کے والد شہباز صاحب کا اپنا کاروبار تھا۔ وہ لوگ اپنے گھر میں خوش وخرم رہتے تھے۔ جب کہ شایان اپنی بیوہ ماں اور بہن کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا اور اپنی غریبی پر دن رات کڑھتا رہتا تھا۔ اس کی والدہ لوگوں کے کپڑے سی کر اپنا اور دونوں بچوں کا پیٹ پال رہی تھیں۔ گھر کا ایک حصہ کرائے پر دے دیا تھا، جس سے بمشکل دونوں بچوں کا اسکول کا خرچ چلتا تھا۔

شایان اکثر سوچتا کہ ایسا کیا کام کیا جائے کہ ہم راتوں رات امیر ہو جائیں۔ وہ

کچھ دنوں سے پریشان سا تھا۔ اسے اسکول جاتے ہوئے محسوس ہوتا جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ جب وہ مڑ کر دیکھتا تو کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ اسی طرح ایک ہفتہ گزر گیا۔ آج اتفاق سے بلال بھی اسکول نہیں آیا تھا۔ چھٹی ہوئی، شایان ٹہلتے ٹہلتے گھر کی جانب چل پڑا کہ اچانک ایک شخص اس کے سامنے آ گیا اور ایک کاغذ دکھا کر ایڈریس پوچھنے لگا کہ بیٹا! ذرا مجھے اس ایڈریس پر پہنچا دو، بڑی مہربانی ہوگی۔

پتا دیکھ کر شایان نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو لے کر چل پڑا۔ وہ شخص شایان کو بتانے لگا کہ وہ یہاں پر نیا آیا ہے اور اس جگہ پر اس کا بھائی رہتا ہے۔ شایان غائب دماغی سے سر ہلانے لگا۔ پھر ایک بڑے سے بوسیدہ مکان کے سامنے رک گیا۔ کاغذ پر اسی مکان کا پتا لکھا تھا۔

''اب میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر شایان مڑنے لگا کہ اچانک وہ شخص کہنے لگا: ''ارے ایسے کیسے، اب یہاں تک آ ہی گئے ہو تو ایک کپ چائے پی کر ہی جانا اور میرے بھائی سے بھی مل لینا۔''

اس کے شریفانہ انداز سے متاثر ہو کر مجبوراً شایان کو اندر آنا ہی پڑا۔ اندر آنے کے بعد وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ باہر سے نظر آنے والا یہ بوسیدہ مکان اندر سے کتنا شان دار ہے۔ وہ آدمی شایان کو ڈرائنگ روم میں بٹھا کر خود اندر چلا گیا۔ شایان حیران پریشان سا اردگرد کا جائزہ لینے لگا، جہاں ائر کنڈیشن کی ٹھنڈی ہوا دماغ کو فرحت بخش رہی تھی۔ قیمتی قالین، خوب صورت پردے، نرم گداز صوفے، بلکہ کمرے کی ہر چیز اپنے مالک کے دولت مند ہونے کا احساس دلاتی تھی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ شخص ایک اور آدمی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ وہ دوسرا شخص شایان کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگا: ''ہیلو، برخوردار! کیسے ہو؟''

''انکل! میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔''

''تمھارا بہت شکریہ بیٹا کہ تم نے ہمارے بھائی کی مدد کی، ورنہ آج کل کون کسی کی مدد کرتا ہے۔ کیا نام ہے تمھارا؟''

''انکل! میرا نام شایان ہے۔''

''اچھا بیٹا! بہت پیارا نام ہے تمھارا اور میرا نام اکبر ہے اور یہ میرے بڑے بھائی اصغر ہیں۔''

''اچھا انکل! اب میں چلتا ہوں کافی دیر ہوگئی۔''

''نہیں۔'' ایک دم اصغر کھڑا ہوگیا: ''میرا مطلب ہے کھانے کا وقت ہے کھانا کر جانا۔ چلو، شاباش، میں انکار نہیں سنوں گا۔'' وہ پیار سے شایان کو اُٹھانے لگا۔ شایان کو رکنا ہی پڑا۔

کھانے میں بے شمار چیزیں تھیں۔ بریانی، قورما، کباب، مچھلی، نہاری اور کئی چیزیں جن کا شایان کو نام بھی نہیں پتا تھا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد وہ لوگ واپس ڈرائنگ روم میں آگئے، جہاں کولڈ ڈرنک پہلے ہی رکھی تھی۔

''لو بیٹا! پیو اور کھانا تو تم نے ٹھیک سے کھایا نا؟'' اصغر ہنستے ہوئے پوچھنے لگا۔

شایان نے سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا۔ اتنے میں اکبر کہنے لگا: ''بیٹا! اگر تمھیں کبھی پیسوں کی ضرورت ہو تو ہمارے پاس چلے آنا، تمھارے لیے ایک کام ہے۔ اس میں بس ایک شرط ہے کہ یہ کام راز داری سے کرنے کا ہے۔ اگر تمھیں منظور ہو تو بات آگے بڑھاتے ہیں۔''

''لیکن انکل! کام کیا ہے؟'' شایان پیسوں کا ذکر سن کر خوش ہوگیا۔

''ایک منٹ رکو...... اکبر! جاؤ کمرے میں سے وہ بریف کیس لے کر آؤ۔''

تھوڑی ہی دیر میں وہ ایک کالے رنگ کا بریف کیس تھامے دوبارہ اندر داخل ہوا اور اصغر کے سامنے رکھ دیا۔ پھر اصغر شایان سے کہنے لگا: ''ادھر آؤ بیٹا! دیکھو یہ تمھارے لیے ہیں۔''

شایان پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنے سامنے نوٹوں کی گڈیاں دیکھنے لگا۔

ادھر اکبر اور اصغر آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو کامیابی کا اشارہ

کرنے لگے۔

''لیکن انکل! کام کیا ہے؟ یہ بتائیے۔''

''نہیں بیٹا! اب تم گھر جاؤ، باقی باتیں کل ہوں گی اور کل اسکول کے بعد اکبر تمھیں گاڑی میں یہاں لے آئے گا۔ یاد رکھنا، اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کرنا۔ شاباش اب تم جاؤ، بلکہ اکبر تمھیں گاڑی میں چھوڑ آئے گا۔''

شایان جب گھر پہنچا تو اماں کو بتایا کہ بلال کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا تھا۔ بلال کی امی نے کھانے پر روک لیا اور پھر میں یہاں آ گیا اور ویسے بھی اسکول میں پڑھائی کا بوجھ اتنا زیادہ ہے کہ میں اور بلال مل کر روزو ہیں پڑھیں گے۔ اب کل سے پڑھائی کرنے میں روز بلال کے گھر جایا کروں گا۔ آپ پریشان نہیں ہوئیے گا۔

شایان چپ ہوا تو ماں کہنے لگی: ''روز تو تم جلدی گھر آ جاتے ہو۔ شہر کے حالات روز بہ روز بگڑتے چلے جا رہے ہیں۔ جب تک تم آ نہیں جاتے میرا دل ہولتا رہتا ہے۔''

''اچھا، اماں میں ذرا دیر آرام کرلوں۔'' کمرے میں آ کر وہ سوچنے لگا کہ کیا واقعی میرا امیر بننے کا خواب پورا ہونے والا ہے؟

رات بھر وہ یہی سوچتا رہا، صبح بھی جلدی اُٹھ گیا۔ اسکول میں جیسے تیسے دن گزرا۔ چھٹی ہوئی تو وہ بلال کو چکما دے کر فوراً باہر نکل گیا۔ اکبر کی نظر جیسے ہی اس پر پڑی، اس نے شایان کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ شایان بھی اس کے پیچھے چلنے لگا۔ اسکول سے کچھ دور آ کر اکبر ایک گاڑی کے پاس رک گیا اور شایان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ خود بھی سوار ہوا اور ڈرائیور نے گاڑی چلا دی۔ تھوڑی

دیر بعد وہ لوگ اسی مکان تک پہنچ گئے۔ آج یہاں کافی ہلچل دکھائی دے رہی تھی۔ ایک کمرے میں داخل ہو کر اصغر نے اُسے بتایا کہ آج ہماری بہت اہم میٹنگ ہے۔ یہاں بہت سے کاروباری لوگ آئے ہوئے ہیں۔ اب ذرا کام کی بات ہو جائے۔ دراصل ہم مختلف قسم کا مال سپلائی کرتے ہیں۔ جیسے ہیرے جواہرات، قیمتی پتھر، سونا چاندی وغیرہ وغیرہ۔ اصغر نے ایک مضبوط چمڑے کے بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ بیگ تمھیں چاند تارا سینٹر میں ایک جگہ پہنچانا ہے، لیکن دھیان رہے کہ بالکل راز داری کے ساتھ۔ تمھیں بس یہ بیگ رکھ کر آنا ہے۔''

اصغر کی باتیں سن کر اسے کچھ گڑ بڑ کا احساس ہونے لگا۔ اتنے میں ایک ملازم اندر داخل ہوا اور کسی کے آنے کی اطلاع دی۔ اس کی بات سن کر اصغر کمرے سے نکل گیا۔

اس کے جاتے ہی شایان کو موقع مل گیا۔ اس نے جلدی سے وہ بیگ کھولا تو وہ حیران رہ گیا، کیوں کہ بیگ میں ہیرے جواہرات نہیں، بلکہ دو بم رکھے تھے۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے۔ اس نے جلدی سے بیگ بند کیا اور صوفے پر بیٹھ گیا، کیوں کہ کسی کے قدموں کی آواز قریب آ رہی تھی۔

اکبر اندر داخل ہوا اور عجلت میں کہنے لگا: ''جاؤ، شایان! تم گھر جاؤ، شام کو پانچ بجے آ جانا۔ اس وقت ہمارے ڈائریکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں۔''

شایان باہر نکل کر تیز قدموں سے چلنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، کسے بتائے۔ وہ سوچنے لگا...... اگر میں ان کا یہ کام کر دیتا ہوں تو...... نہیں، نہیں اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں گیا۔ روز وہ ٹی وی پر دھماکے دیکھتا تھا اور اب وہ خود یہ

کرنے چلا تھا۔ نہیں وہ اتنا خود غرض ہرگز نہیں۔ اپنی ذات کی خاطر بے شمار جانوں کا قاتل بن جائے۔ پھر وہ سوچنے لگا ضرور یہ اللہ کی طرف سے اس کا امتحان ہے، جس میں اسے سرخرو ہونا ہے۔ بے اختیار اس کا سر آسمان کی طرف اُٹھ گیا اور وہ اللہ پاک کا شکر ادا کرنے لگا کہ وہ اتنا بڑا گناہ کرنے سے بچ گیا۔ پھر ایک خیال کے آتے ہی اس کے قدم بلال کے گھر کی سمت دوڑنے لگے، کیوں کہ بلال کے چچا ایس۔ ایچ۔ او تھے اور وہی یہ کام بہتر طور پر کر سکتے تھے۔ وہ شایان کو جانتے تھے۔

جیسے ہی وہ بلال کے گھر میں داخل ہوا، اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی، کیوں کہ سامنے ہی لاؤنج میں اس کے چچا خاور صاحب بیٹھے تھے۔ انھوں نے اسے دیکھتے ہی اپنے پاس بلا لیا۔ شایان اعتماد سے ان کے برابر آ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا: ''خاور انکل! مجھے آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' پھر اس نے اکبر سے پہلی ملاقات سے لے آخری ملاقات تک تفصیل سے بتا دیا۔

خاور صاحب بہت غور سے شایان کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ خاموش ہوا تو کہنے لگے۔ پانچ بجنے میں صرف ایک گھنٹہ بچا ہے۔ جو کچھ کرنا ہے، اسی میں کرنا ہے۔ یہ کہہ کر وہ کسی کو فون ملانے لگے: ''انسپکٹر عمر! تمام افسروں کو الرٹ کر دیجیے، ہمیں ٹھیک چار بج کر پینتالیس منٹ پر ایک جگہ ریڈ کرنی ہے اور سنیے یہ بات میرے اور آپ کے درمیان ہی رہنی چاہیے۔''

پھر خاور صاحب شایان سے مخاطب ہوئے: ''بیٹا! آپ کو ہمارے ساتھ اس جگہ پر چلنا ہوگا، کیوں کہ وہ مکان آپ کا دیکھا ہوا ہے۔''

وہ لوگ آ گے، پیچھے پولیس کی بھاری نفری کے ساتھ پہنچے اور مکان کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ شایان گاڑی میں بیٹھا یہ سب کارروائی دیکھ رہا تھا۔ انسپکٹر عمر اور دیگر افسران کے ساتھ خاور صاحب بھی گن تھامے مکان میں داخل ہوئے! ''خبردار! سب لوگ ہاتھ اوپر اُٹھالو۔''

اکبر اور اصغر اپنے بڑے صاحب اور دیگر ساتھیوں کے ساتھ باتوں میں مگن تھے کہ اچانک اس دھاوے پر بوکھلا گئے۔ انھوں نے ہتھیار نکالنے کی کوشش کی۔

''کسی نے ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی تو اپنے انجام کا ذمے دار وہ خود ہوگا۔'' خاور صاحب کی بارعب آواز گونجی تو سب کو ایک دم سانپ سونگھ گیا۔

دو منزلہ مکان جو بظاہر باہر سے بوسیدہ تھا اندر سے نہایت شان دار تھا۔ گھر کے اوپری حصے میں بم بنانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ مکان سے بھاری مقدار میں اسلحہ، بارود، بال بیرنگ، نٹ بولٹ اور بم میں استعمال ہونے والا بے شمار سامان برآمد ہوا اور چوبیس دہشت گرد گرفتار ہوئے۔ خاور صاحب آج بہت خوش تھے کہ انھوں نے شایان کی مدد سے اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔

شایان بہت مطمئن تھا کہ اس نے اپنے ملک کی خدمت کی۔

''حکومتِ پاکستان'' کی طرف سے شایان کو ایک لاکھ کا نقد انعام دیا گیا۔ گریجویشن کرنے کے بعد پولیس فورس میں ملازمت دینے کا وعدہ بھی کیا گیا۔ شایان نے راتوں رات اُمیر بننے کا جو خواب دیکھا تھا، اللہ نے وہ جائز طریقے سے پورا کر دیا تھا۔

☆☆☆

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

ثانیہ فرخ جنجوعہ، پنڈ دادن خان	سیدہ اریبہ بتول، کراچی
محمد وقار الحسن، اوکاڑہ	مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ
ارسلان اللہ خان، حیدر آباد	عبہر کامران، کراچی
عظیم ڈوگر، ملتان	

نعتِ رسولِ مقبولؐ

مرسلہ : ثانیہ فرخ جنجوعہ، پنڈ دادن خان

بزمِ کونین سجانے کے لیے آپؐ آئے
شمعِ توحید جلانے کے لیے آپؐ آئے
ایک پیغام جو ہر دل میں اُجالا کر دے
ساری دنیا کو سنانے کے لیے آپؐ آئے
ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو
ایک مرکز پہ بُلانے کے لیے آپؐ آئے
ناخدا بن کے اُمنڈتے ہوئے طوفانوں میں
کشتیاں پار لگانے کے لیے آپؐ آئے
قافلے والے بھٹک جائیں نہ منزل سے کہیں
دُور تک راہ دکھانے کے لیے آپؐ آئے

علی گڑھ تحریک

محمد وقار الحسن، اوکاڑہ

یہ تحریک سر سید احمد خاں نے شروع کی تھی اور وہ اس کے بانی تھے۔ اس تحریک کا مقصد مسلمانوں کو ایک ادبی، علمی اور شعوری پلیٹ فارم پر جمع کرنا تھا۔ مسلمان اپنا تاج و تخت تو غدر کے بعد انگریزوں سے مکمل طور پر کھو ہی چکے تھے۔ وہ اپنا تاریخی علمی ورثہ بھی کھو رہے تھے اور زوال کی پستیوں میں گر رہے تھے۔ اس وقت مسلمانوں کو ایک رہنما کے ساتھ ساتھ مصلح کی سخت ضرورت تھی۔

اس موقع پر سر سید احمد خاں نے مسلمانوں کو تعلیم پر توجہ دینے کے لیے کہا اور خاص طور پر انگریزی زبان سیکھنے کی طرف بھر پور توجہ دینے کے لیے کہا۔ مسلمان جو انگریزی زبان سیکھنے کی طرف توجہ نہیں دے رہے تھے اور نہ ہی اعلا تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ اسی وجہ سے مسلمانوں پر نوکریوں کے دروازے بند ہو گئے تھے اور وہ غربت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ سر سید بہت دور اندیش اور عقل مند تھے۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے علی گڑھ تحریک شروع کی۔ انھوں نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سیکھنے کا کہا کہ اگر وہ ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس زبان میں مہارت پیدا کرنا ہوگی۔

علی گڑھ تحریک سے بہت بڑے بڑے عالم، دانش ور اور شاعر منسلک تھے۔ اس تحریک میں سر سید نے ہر ایک شخص کو الگ ذمے داری سونپی اور وہ اس میں نہایت دیانت داری سے کام سرانجام دیتا تھا۔ اس مقصد کے لیے سر سید احمد خاں کا کام مضمون نگاری، الطاف حسین حالی کا کام شاعری اور سوانح نگاری، مولانا شبلی نعمانی سوانح نگاری اور شاعری، مولوی نذیر احمد کا کام ناول نگاری تھا۔ یہ سب اپنے اپنے شعبوں میں قوم کی اصلاح کا کام کر رہے تھے۔ سر سید نے علی گڑھ تحریک قائم کرنے کے ساتھ ساتھ علی گڑھ کالج بھی قائم کیا۔ علی گڑھ کالج سے بہت مشہور طالب علم تعلیم حاصل کر کے نکلے، جنھوں نے قیامِ پاکستان کے لیے اپنی جان تک کا نذرانہ پیش کر دیا۔

''زمیندار'' اخبار کے بانی مولانا ظفر علی خاں نے بھی اپنی تعلیم علی گڑھ کالج سے حاصل کی تھی۔ یہ ''علی گڑھ کالج'' اور ''علی گڑھ تحریک'' کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ اپنی بے باک تحریروں کی وجہ سے پورے

برصغیر میں مشہور ہوئے۔ سرسید احمد خاں نے ''تہذیب الاخلاق'' کے نام سے رسالہ بھی نکالا۔ سرسید نے اپنے مقالات میں قوم کو ''اپنی مدد آپ'' کا جذبہ، اس کے اصول، افادیت اور فوائد سے آگاہ کیا ہے۔ سرسید نے اپنی تمام زندگی مسلمانوں کی اصلاح کے لیے وقف کر دی۔ سرسید کی خاص خوبی سچا جذبہ تھا۔ وہ خود مخلص انسان تھے، اس لیے مخلص لوگوں کی قدر کرتے تھے۔ سرسید کے خاص اوصاف محنت اور جفاکشی تھے۔ آپ کی طبیعت میں مزاح کا عنصر موجود تھا۔ سرسید کی اہم تصانیف میں مقالاتِ سرسید، آثار الصنادید اور تاریخ بجنور تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اپنی مدد آپ کا جذبہ حقیقی ترقی کی بنیاد ہے۔ دوسروں پر بھروسا کرنے سے عزت و غیرت کا چلا جانا یقینی ہے۔ ایک شخص اپنا کام اس وقت تک مکمل نہیں کر سکتا، جب تک وہ اپنے آپ پر بھروسا نہیں کرے گا۔ اس وقت تک جب ہم خود ایمان داری اور انصاف پسند نہ ہو جائیں۔ موجودہ طور طریقے، چال چلن آنے والی نسل کے لیے بہتر نہیں ہے۔ برائیوں میں مبتلا شخص بُرا، دراصل برائیوں کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہماری موجودہ ترقی نسل در نسل محنت کا نتیجہ ہے۔ مثلاً پہلے ایک جنگل تھا۔ پھر ایک نسل نے اس جنگل سے گزرنے کے لیے پگڈنڈی بنوائی۔ آنے والی نسل نے اس کو کشادہ کیا، ایک نسل نے اسے ہموار کیا، ایک نسل نے سیمنٹ کا استعمال کر کے اس کو پختہ کیا اور آج سڑک ہمارے سامنے ہے جس سے ہم گزر کر جنگل پار کرتے ہیں۔ یہ نسل در نسل محنت کا نتیجہ ہے۔ ایک عاجز اور مسکین آدمی کی محنت، پرہیز گاری اور بے لگاؤ ایمان داری کا آنے والی نسل پر بہت اچھا اثر ہوتا ہے۔ عملی تعلیم سب سے اہم تعلیم ہے۔

سرسید نے تو ہمارے لیے اتنے راہنما اصول واضح کیے ہیں کہ ہم ان اصولوں پر عمل کر کے دنیا میں ترقی کی سیڑھیاں چڑھ سکتے ہیں۔ یہ اب ہم پر فرض ہے کہ ہم ان اصولوں پر خود عمل کریں اور ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی بتلائیں۔

لائبریری کی اہمیت

ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

طالب علم اور لائبریری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ طلبہ جو علم، نصاب کی کتابوں کے ذریعے سے حاصل کرتے ہیں وہ خشک ہوتا ہے، جسے امتحانوں میں کام یاب ہونے کے لیے رٹنا پڑتا ہے۔ اس کے برعکس غیر نصابی کتابیں چوں کہ وہ اپنی دل چسپی، پسند اور شوق سے پڑھتے ہیں، اسی لیے انھیں ان کتابوں سے حاصل شدہ علم یاد رہتا ہے، جو ان کی قابلیت اور علمی صلاحیت میں بے پناہ اضافے کا باعث بنتا ہے۔ غیر نصابی کتابوں سے فائدہ اُٹھانے کا بہترین ذریعہ لائبریری ہے، لیکن ہمارے یہاں اکثر اسکولوں اور دیگر تعلیمی اداروں میں لائبریری کی سہولت مہیا نہیں کی جاتی اور جہاں کہیں لائبریری ہوتی ہے وہاں پر بھی طالب علموں پر طرح طرح کی پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔ اس طرح ہمارے طلبہ شوق اور دل چسپی کے باوجود لائبریری میں بھری ان کتب سے محروم ہی رہے ہیں۔ اگر انھیں کتابوں کے علاوہ دیگر کتابیں پڑھنے کا موقع دیا جائے تو انھیں نہ صرف اپنے درسی مضامین میں کافی معلومات حاصل ہوں گی، بلکہ وہ دیگر علوم اور مضامین سے متعلق بھی بہت کچھ جان سکیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دیگر ترقی یافتہ ممالک کی طرح پاکستان میں بھی جگہ جگہ لائبریریاں قائم کی جائیں، تاکہ طلبہ ان سے فائدہ اُٹھا کر اپنے ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے سکیں۔

گھڑیاں

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

یہ جو گھڑیاں کرتی ہیں ٹِک ٹِک
اس کا مطلب ہے، سن لے ہر اک
وقت ہے جاتا ، دیکھو دیکھو!
کام تم اپنا ، جلدی کرلو
جاتے جاتے وقت ہے کہتا
کام کرے جو ، میں ہوں اس کا
وقت پر اگر تم ، کام کرو گے
اچھا اچھا انعام بھی لو گے

کسان کی دانائی

مدیحہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ کسی ملک پر ایک رحم دل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ اپنی رعایا کا بہت خیال کرتا تھا۔ اس کی رعایا اس سے بہت خوش تھی۔ بادشاہ کبھی کبھی اپنے محل سے باہر نکلتا، وہ عام لوگوں سے ملتا جلتا اور ان سے باتیں کرتا اور ان کے حالات دریافت کرتا۔ ایک دن بادشاہ کسی گاؤں کی طرف نکل گیا۔ اسے ایک کسان نظر آیا۔ وہ اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ بادشاہ نے کسان کو سلام کیا۔ کسان بادشاہ کو اپنے روبرو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

بادشاہ نے کسان سے پوچھا: ''تم اس کھیت سے کتنا کما لیتے ہو؟''

کسان نے ادب سے جواب دیا: ''بادشاہ سلامت! یوں سمجھ لیں روز کا ایک روپیہ کما لیتا ہوں۔''

بادشاہ نے پوچھا: ''تم اس ایک روپے کا کیا کرتے ہو؟''

کسان نے عرض کیا: ''عالی جاہ! اس روپے سے چار آنے تو کھا لیتا ہوں۔ چار آنے قرض اُتارتا ہوں، چار آنے قرض دیتا ہوں اور باقی بچے چار آنے انھیں کنویں میں پھینک دیتا ہوں۔''

بادشاہ نے کہا: ''میری سمجھ میں تمھاری

بات نہیں آئی۔ مجھے اس کا مطلب سمجھاؤ۔''

کسان نے ہاتھ جوڑ کر عرض کی:

''حضور! چار آنے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ میں انھیں خود پر اور بیوی پر خرچ کرتا ہوں۔

چار آنے قرض اُتارنے کا مطلب یہ ہے کہ انھیں اپنے والدین پر خرچ کرتا ہوں۔ وہ مجھ پر قرض ہے۔ میرے ماں باپ نے مجھے پالنے پوسنے پر جو مصیبت اُٹھائی تھی اور جو خرچ کیا تھا۔ وہ مجھ پر قرض ہے۔ اسے مکمل طور پر اُتارنا تو میرے بس میں نہیں، مگر کوشش کرتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ اُتار دوں۔

چار آنے قرض دینے کا مطلب ہے کہ انھیں اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہوں کہ جب میں بوڑھا اور کم زور ہو جاؤں تو میری اولاد میری دیکھ بھال اور خدمت کرے۔

رہے وہ چار آنے جو کنویں میں ڈالتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں انھیں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتا ہوں۔ ان سے کسی غریب اور حق دار کی مدد کر دیتا ہوں۔''

بادشاہ نے کسان کی یہ باتیں سنیں تو اسے خوشی ہوئی۔ اس نے کسان کو انعام دیا اور کہا:'' جب تک تم میرا منھ سو بار نہ دیکھ لو، اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔''

کسان نے وعدہ کر لیا۔ بادشاہ گھوڑے پر سوار ہو کر واپس اپنے محل میں چلا گیا۔ اگلے روز بادشاہ کا دربار لگا۔ تمام وزیر، مشیر اور درباری موجود تھے۔ بادشاہ نے کسان کی بات دربار میں تمام موجود افراد کو بتا کر اس کا مطلب پوچھا۔ سب دانتوں میں انگلی دابے خاموش کھڑے تھے۔ بادشاہ کا وزیر نہایت دانا، زیرک اور ہوشیار تھا۔ اس نے بادشاہ سے جواب دینے کے لیے ایک روز کی مہلت مانگی۔

وزیر نے اسی وقت گھوڑے پر زین کسی اور کسان کے پاس پہنچ کر دم لیا۔ اس نے کسان سے اس بات کا مطلب پوچھا۔

کسان نے کہا: ''میں نے بادشاہ کو زبان دی ہے کہ میں اس کا مطلب اس وقت تک کسی کو نہیں بتاؤں گا، جب تک بادشاہ کا منھ سو بار نہ دیکھ لوں۔''

یہ سن کر وزیر پریشان ہو گیا۔ اس نے کسان سے کہا: ''کوئی راستہ سوچو، میں نے بادشاہ سے وعدہ کیا ہے کل اس سوال کا جواب دوں گا۔''

کسان سوچنے لگا، تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے وزیر سے سو اشرفیاں مانگیں۔ وزیر نے جھٹ سے سو اشرفیاں اس کے حوالے کر دیں۔ اشرفیاں پا کر کسان نے تمام بات وزیر کو بتا دی۔ وزیر خوش خوش لوٹ گیا۔ اگلے روز دربار لگا۔ بادشاہ نے وزیر سے سوال کا جواب پوچھا۔ وزیر نے کسان کی بتائی گئی بات حرف بحرف بتا دی۔

بادشاہ جان گیا کہ کسان نے وزیر کو ساری بات بتا دی ہے۔ بادشاہ آگ بگولہ ہو گیا۔ وہ کسان کی وعدہ خلافی پر سخت طیش میں تھا۔ اس نے کسان کی طرف فوراً پیادے بھجوائے۔

زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ پیادے کسان کو لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو گئے۔ بادشاہ نے گرج دار اور غضب ناک آواز میں کسان سے پوچھا: ''تم نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک ہمارا منھ سو بار نہ دیکھ لو گے کسی کو یہ بات نہ بتاؤ گے۔ تم نے وزیر کو تمام بات بتا کر وعدہ شکنی کی ہے۔ کیا جواب ہے اس کا تمھارے پاس؟''

عقل مند کسان نے بڑے ادب سے عرض کیا: ''حضور! میں وعدہ توڑنا گناہ سمجھتا ہوں۔ مجھے وہ حدیث پاک یاد ہے، جس میں فرمایا گیا ہے جو وعدہ پورا نہیں کرتا اس کا کوئی دین نہیں۔ پھر میں آپ سے کیا گیا وعدہ کیوں کر توڑ سکتا ہوں؟''

بادشاہ نے پوچھا: ''کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم نے وزیر کو ساری بات نہیں بتائی ؟''

کسان نے کہا: ''عالی جاہ! میں نے وزیر کو تمام بات بتائی ہے۔''

''لیکن کیا تم نے ہمارا منھ سو بار دیکھا، جو ساری بات وزیر کو بتادی؟'' بادشاہ نے کسان سے سوال کیا۔

''جی ہاں، بادشاہ سلامت! اس خاکسار نے اپنے عالی قدر بادشاہ کا منھ سو بار دیکھنے کے بعد ہی ساری بات بتانے کی ہمت کی تھی۔'' کسان نے ادب سے جواب دیا۔

''لیکن مجھے تو پرسوں کے بعد تم پہلی مرتبہ آج مل رہے ہو، پھر تم نے ہمارا منھ سو بار کیسے دیکھ لیا؟'' بادشاہ نے حیرت سے سوال کیا۔

کسان نے کہا: ''بادشاہ سلامت! میں نے بات بتانے سے پہلے وزیر سے سو اشرفیاں مانگی تھیں۔ ہر اشرفی پر آپ کی تصویر کندہ تھی۔ میں نے ہر اشرفی پر بنی آپ کی تصویر کو دیکھا۔ اس کے بعد میں نے ساری بات وزیر کو بتادی۔'' کسان کا یہ جواب سن کر دربار میں موجود لوگ کسان کی دانائی پر اش اش کر اٹھے۔

بادشاہ بھی کسان کی عقل مندی سے بہت متاثر ہوا۔ اس نے کسان کو وزیر مقرر کرنے کا فیصلہ کیا۔ سب نے بادشاہ کے فیصلے کو سراہا۔ دربار میں موجود تمام لوگ کسان کو وزیر بننے پر مبارک باد پیش کرنے لگے۔

بندر اور ہاتھی

عبہر کامران، کراچی

کسی جنگل میں ایک اُلو رہتا تھا۔ وہ سب جانوروں میں اپنی عقل مندی کی وجہ سے مشہور تھا۔ وہ ہر وقت برگد کے درخت پر بیٹھا اپنی سوچوں میں غرق رہتا۔ جب بھی جنگل میں جانوروں کی آپس میں لڑائی ہوتی تو سب صلح صفائی کے لیے اُلو کی طرف بھاگتے تھے۔

ایک دن ایک ہاتھی اور بندر، اُلّو کے پاس آئے اور کہا: ''ہم دونوں میں ایک بات پر لڑائی ہے۔ آپ پورے جنگل میں عقل مند مانے جاتے ہیں اس لیے ہم آپ کے پاس آئے ہیں۔ بندر کہنے لگا کہ میں کہتا ہوں چالاکی اور چستی اچھی چیز ہے، مگر ہاتھی کہتا ہے طاقت سے اچھی چیز کوئی نہیں ہے۔''

اُلّو تھوڑی دیر سوچتا رہا اور پھر بولا: ''تم دونوں جاؤ، اس سیب کے درخت سے کچھ سیب توڑ کر لاؤ۔''

بندر اور ہاتھی دونوں دریا کے کنارے پہنچے تو ہاتھی نے بندر سے کہا: ''اب تمھاری سمجھ میں آیا کہ طاقت ور ہونا کتنی اچھی چیز ہے۔ آؤ میری پیٹھ پر بیٹھو میں تمھیں دریا پار کرا دیتا ہوں۔''

جب دونوں سیب کے درخت کے پاس پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ سیب بہت اونچے لگے ہوئے ہیں۔ ہاتھی نے اپنی طاقت کو استعمال کرتے ہوئے سونڈ کی مدد سے سیب کو توڑنا چاہا، لیکن ناکام رہا۔ پھر ہاتھی نے درخت کو گرانا چاہا تب بھی ناکام رہا۔

بندر نے قہقہہ لگایا اور بولا: ''میں نے کہا تھا نہ کہ ہر جگہ طاقت ہی کام نہیں آتی، بلکہ چالاکی اور چستی بھی ضروری ہے۔'' بندر نے فوراً چھلانگ لگائی درخت پر چڑھ کر سیب توڑ کر زمین پر پھینکنے لگا۔

پھر دونوں سیب لے کر اُلّو کے پاس پہنچے اور بولے: ''اب بتائیے کون سی چیز اچھی ہے چالاکی اور چستی یا طاقت ور ہونا۔''

اُلّو بولا: ''طاقت ور ہونا اور چالاکی و چُستی دونوں بہت ضروری ہیں۔ تم دونوں ایک دوسر کی مدد کے بغیر یہ سیب نہیں حاصل کر سکتے تھے۔'' اُلّو نے بندر کو نصیحت کی کہ تمھیں اپنی چالاکی و چُستی پر نہیں اِترانا چاہیے اور ہاتھی کو اپنے طاقت ور ہونے پر مغرور نہیں ہونا چاہیے۔

اس لیے ہمیں بھی چاہیے طاقت ور ہونے پر فخر نہ کریں، ہوسکتا ہے جسے ہم کم زور خیال کر رہے ہیں وہ اپنی چالاکی سے کسی میدان میں ہمیں پیچھے چھوڑ جائے۔

موت ایک کی یا سب کی

عظیم ڈوگر، ملتان

ایک خاندان کے کچھ لوگ پکنک منانے ایک بڑی جھیل پر پہنچے اور موٹر والی کشتی میں سیر کرنے لگے۔ ملاح ایک جگہ پہنچ کر واپس کشتی موڑنے لگا۔ ایک لڑکی نے اپنے والدین سے کہا کہ وہ ملاح سے کہیں کہ تھوڑا اور آگے لے جائے۔

ملاح نے کہا: ''آگے بڑے بڑے مگرمچھ رہتے ہیں۔''

لڑکی اور اس کے والدین نہ مانے اور اصرار کر کے کشتی کو آگے لے گئے۔ لڑکی نے اپنا ایک ہاتھ پانی میں ڈبو رکھا تھا اور ٹھنڈے پانی سے لطف اُٹھا رہی تھی۔ اچانک اس لڑکی نے چیخ ماری اور کہا کہ اسے کوئی نیچے کھینچ رہا ہے۔ پھر وہ زور زور سے چیخنے لگی۔

ملاح نے کہا: ''دیکھا میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہاں مگرمچھ ہیں۔ اب اس کا ایک ہی حل ہے کہ لڑکی کو پانی میں دھکا دے دو، کیوں کہ اس کا بازو علاحدہ ہوگیا تو خون سارے پانی میں پھیل جائے گا اور دوسرے مگرمچھ بھی آ کر کشتی پر حملہ کردیں گے۔ لڑکی کے والدین زار و قطار رونے لگے۔ ملاح نے خود ہی آگے بڑھ کر لڑکی کو پانی میں دھکا دے دیا اور جلدی جلدی کشتی موڑنے لگا۔ باقی لوگوں کو صحیح سلامت کنارے پر پہنچا دیا۔

اس طرح وہ لڑکی مگرمچھوں کا لقمہ بن کر ماں باپ کو ہمیشہ کے لیے روتا چھوڑ گئی۔ اس میں والدین کا بھی قصور ہے کہ انھوں نے ملاح کے منع کرنے کے باوجود بات نہ مانی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسے المیوں سے بچائے۔ ☆

فٹ بال کا کھیل

تمثیلہ زاہد

جسم کو حرکت میں رکھنے والے تمام کھیل انسانی صحت پر اچھا اثر ڈالتے ہیں۔ ایسے کھیل، تفریح اور ورزش کا بہترین ذریعہ ہیں۔ ایک صحت مند معاشرے کے لیے کھیلوں کو فروغ دینا ضروری ہے۔ کرکٹ، ہاکی، بیس بال، والی بال، پولو، ٹینس وغیرہ کے علاوہ فٹ بال کے کھیل کے شوقین بھی دنیا بھر میں موجود ہیں۔

فٹ بال جسے امریکا میں ''سوکر'' (SOCCER) کے نام سے جانا جاتا ہے، مغربی ممالک کا مقبول ترین کھیل ہے۔ اس کھیل میں ایک گول کیپر اور دس کھلاڑی ہوتے ہیں۔ گیارہ کھلاڑیوں پر مشتمل دو ٹیمیں ہوا بھری ایک گول گیند کے ساتھ کھیلتی ہیں۔ یہ کھیل ۹۰ منٹ پر مشتمل ہوتا ہے۔ درمیان میں پندرہ منٹ کا وقفہ بھی دیا جاتا ہے۔

اس کھیل کے دوران دیے جانے والے وقفے کو ہاف ٹائم (HALF TIME) کہتے ہیں۔

فٹ بال کے کھیل کا قانون ۱۸۶۳ء میں انگلینڈ میں بنایا گیا۔ یہ کھیل دو ٹیموں کے درمیان چوکور میدان میں کھیلا جاتا ہے۔ اس کھیل میں دونوں ٹیموں کا مقصد گیند کو مخالف ٹیم کے آخری مخصوص حصے میں بنے دو پولوں کے درمیان سے گزارنا ہوتا ہے، جسے گول کرنا کہتے ہیں۔ مقررہ وقت کے ختم ہونے تک زیادہ گول کرنے والی ٹیم کھیل جیت جاتی ہے۔ کھیل کے دوران کھلاڑیوں کو ایک دوسرے کو ہاتھوں یا کندھوں کی مدد سے دھکا دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔ پیروں کے ذریعے سے گیند کو اپنی ہی ٹیم کے دوسرے کھلاڑی تک پہنچانے کی مہارت درکار ہوتی ہے۔ گیند حاصل کرنے کی کوشش میں اگر کسی کھلاڑی سے کھیل کے قواعد کی خلاف ورزی ہو جائے تو ریفری کھلاڑی کو پیلا (YELLOW) کارڈ دکھا دیتا ہے۔ وہی کھلاڑی کھیل کے دوران اپنی غلطی دہرائے تو ریفری ایسے کھلاڑی کو لال (RED) کارڈ دکھا کر کھیل سے باہر کر دیتا ہے۔

انٹرنیشنل فیڈریشن آف ایسوسی ایشن فٹ بال کو مختصراً فیفا (FIFA) کہا جاتا ہے۔ ورلڈ کپ دنیا میں فٹ بال کا سب سے بڑا ٹورنامنٹ ہے۔ دنیا بھر کے ممالک میں موجود شائقین کی بڑی تعداد ہر چار سال بعد ہونے والے اس ٹورنامنٹ کا شدت سے انتظار کرتی ہے۔ بہت سے ممالک کی طرح برازیل میں بھی فٹ بال کے شائقین کی بڑی تعداد موجود ہے۔ یہ وہاں کا قومی کھیل ہے۔

برازیل کے لوگوں کا کہنا ہے کہ فٹ بال ہمارے خون میں شامل ہے۔ برازیل دنیا کا وہ واحد ملک ہے، جہاں فٹ بال کی پسندیدگی جنون کی حد تک ہے۔ وہاں کے سو فی صد لوگ فٹ بال کھیلنا ہی پسند کرتے ہیں۔ آپ اگر باہر سڑک، گلیوں اور میدانوں کا جائزہ لیں تو آپ کو بوڑھے، بچے، نوجوان، لڑکے، لڑکیاں یہاں تک کہ بوڑھی عورتیں بھی فٹ بال کے کھیل سے لطف اندوز ہوتی نظر آئیں گی۔ اب تک عالمی کپ ٹورنامنٹس کے سترہ مقابلے ہوئے، جس میں سے برازیل پانچ مرتبہ عالمی کپ فٹ بال ٹورنامنٹ کا اعزاز جیت چکا ہے۔

''مارا کا'' فٹ بال اسٹیڈیم دنیا کا سب سے بڑا فٹ بال اسٹیڈیم ہے۔ یہ اسٹیڈیم برازیل کی ریاست ''ریوڈی جنیرو'' میں واقع ہے۔ دنیا کے بہترین فٹ بال کلب بھی برازیل میں موجود ہیں۔ پاکستان میں بھی فٹ بال کے شوقین لوگوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ سیالکوٹ میں بہترین فٹ بال تیار کر کے دنیا بھر میں بھیجی جاتی ہے۔ ☆

The Legend Leads...
RIO
فن
ایکسپریس
وزٹ کیجئے www.pfrio.com.pk
آن لائن گیمز کے زبردست مزے اُٹھائیے!
فن کا ڈیلی ڈوز
ڈھونڈو راستہ!
دیواروں کے درمیان راستہ تلاش کرو۔
FINISH
START
ڈھونڈو
ریو پیکس!
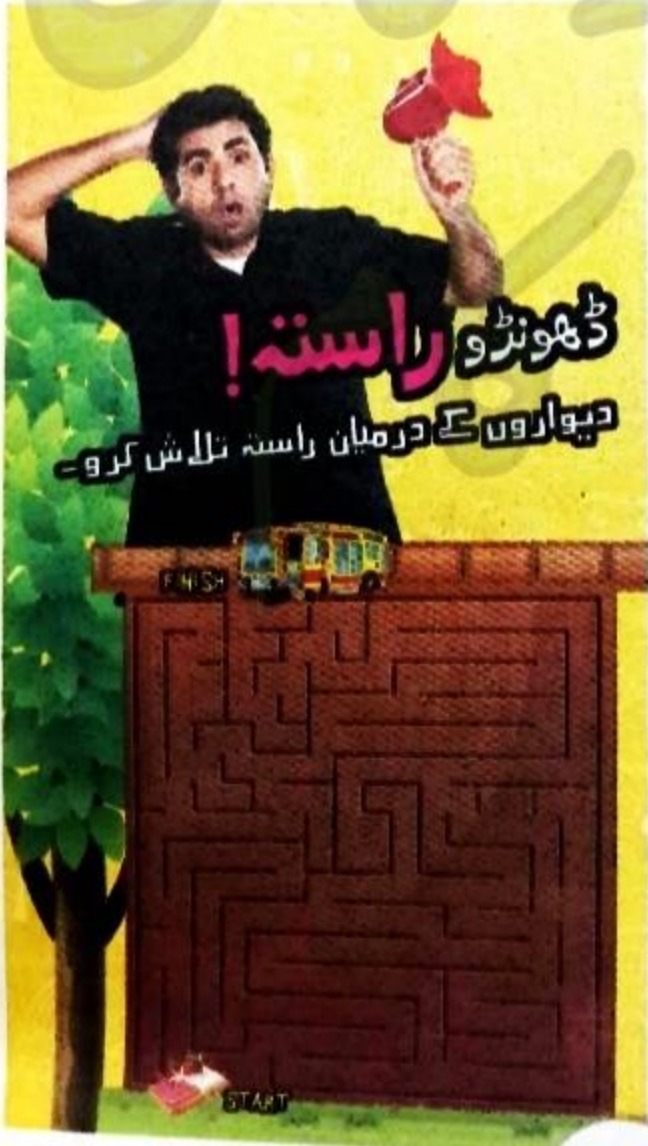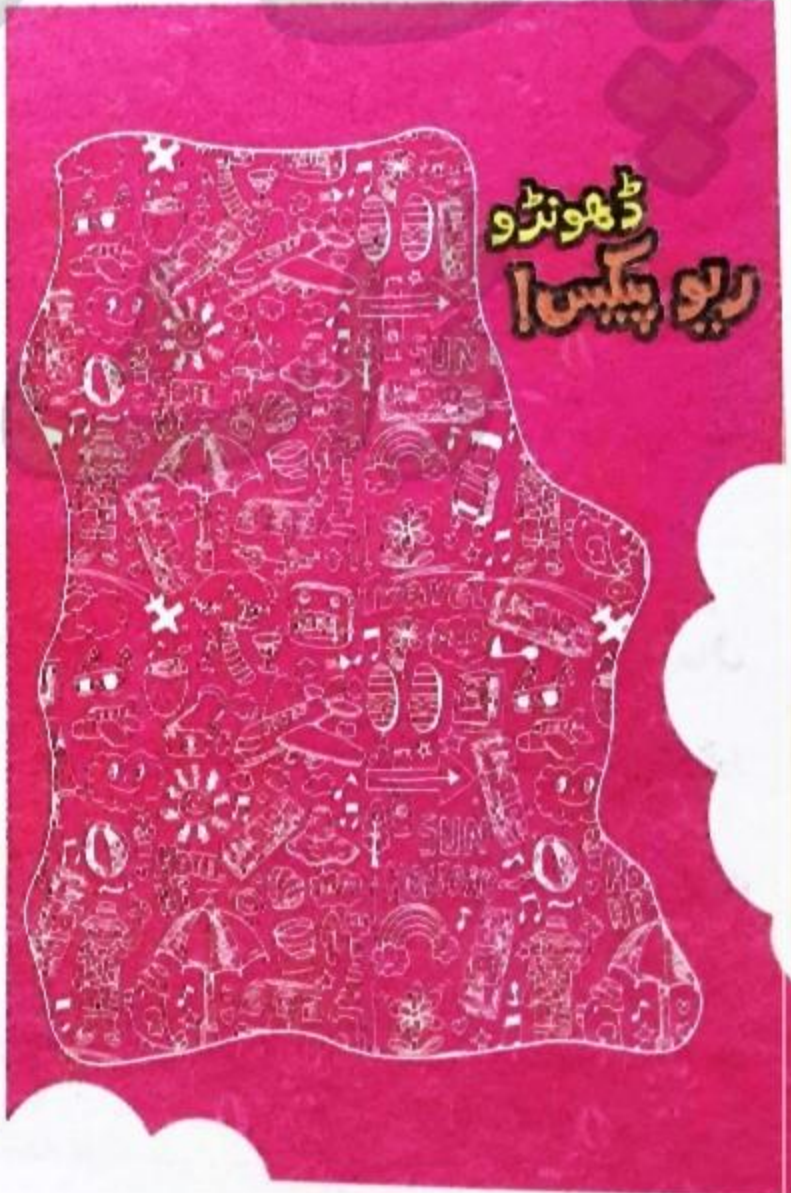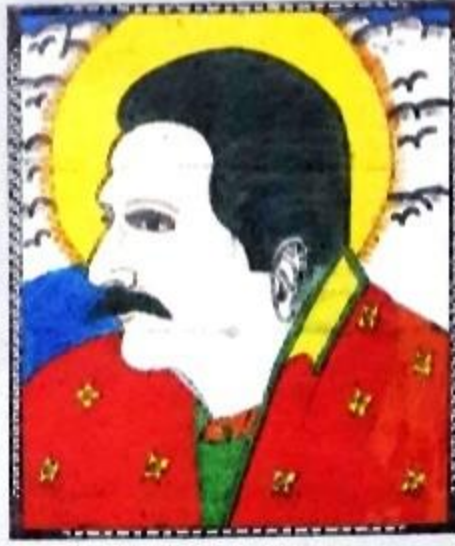
نونہال مصور
محمد فہد خالد، لانڈھی
طلحہ وسیم، سکھر
طیبہ اقبال اشرفی، نارتھ کراچی
قرۃ العین، گلشن اقبال، کراچی
حفصہ محمد طاہر قریشی، نواب شاہ
ماریہ اکمل لاڑ، روہڑی

مسکراتی لکیریں

سورج اور ستاروں کی باتیں

سورج: ''یہ بتاؤ، تم دن کو کہاں چھپ جاتے ہو؟''

ستارے: ''ہم چھپتے نہیں ہیں، بس آپ کے احترام میں نظروں سے غائب ہو جاتے ہیں۔

شہیدِ پاکستان۔قومی یکجہتی کا نشان

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں محترمہ سعدیہ راشد، نعیم اکرم قریشی اور نونہال مقررین

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی

رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی ممتاز ماہرِ تعلیم محترمہ نور قریشی تھیں۔ معروف براڈ کاسٹر، اسکالر اقبالیات اور رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کی سولھویں برسی کے موقع پر منعقدہ اجلاس کا موضوع تھا: ''شہیدِ پاکستان۔قومی یکجہتی کا نشان''

اسپیکر اسمبلی نونہال عامرہ حفیظ تھیں۔ تلاوتِ قرآن مجید اور ترجمہ نونہال محمد عرفان نے اور حمدِ باری تعالیٰ عیشا سحر و ساتھی نونہالوں نے پیش کی۔ نونہال احمد مصطفیٰ اور نونہال فاطمہ ارشد نے فرمانِ رسولؐ اور نونہال شمسہ نواز نے خوب صورت ہدیۂ نعت پیش کیا۔ نونہال مقررین میں کائنات بی بی، فضا ایمان، طلالہ اور فراز امجد شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید کو جسمانی طور پر ہم سے دور ہوئے سولہ سال ہوگئے۔ پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے شہید حکیم محمد سعید کی یہ بے لوث خدمت ہی تھی، جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے ہر

ہم وطن کے دل میں عقیدت کا وہ مقام پایا جو تاریخِ عالم کی کم ہی شخصیات کو میسر آ سکا ہے۔

حکیم صاحب محترم کا چہرہ اس وقت خوشی سے چمکنے لگتا جب وہ اپنے سامنے موجود نونہالوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے: ''یہی تو میری اصل کمائی ہے۔'' یہ پیار اور محبت نونہالانِ پاکستان کے لیے بھی وہ انمول دولت ہے، جسے ہر حساس دل محسوس کرتا ہے۔

محترمہ نور قریشی نے کہا کہ حکیم صاحب کی پوری زندگی سب کے لیے مشعلِ راہ ہے آپ نے سادگی کو ہمیشہ اپنا شعار رکھا اور وہ نہ صرف لباس، بلکہ خوراک کے معاملے میں بھی انتہائی سادگی برتتے تھے۔ وہ کام کرنے میں عار نہیں سمجھتے تھے۔ ہماری قوم کی ابتری کی اصل وجہ وقت کی پابندی نہ کرنا ہے۔ انھوں نے اسکولوں کی کمی کو شادی ہالوں کو مدرسے میں بدلنے کی تجویز دی تھی۔ آج ہماری قومی وصوبائی اسمبلیاں تعلیم و تربیت کے فقدان کی بنا پر ہی عالمی سطح پر ہمارے لیے باعثِ تضحیک بنی ہوئی ہیں۔ ہم بھی لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہمیں حکیم صاحب کے سایہ شفقت میں رہنے اور ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے نونہالوں کو بھی یہ ورثہ منتقل کریں، کیوں کہ اچھی باتیں سیکھنا سب کے لیے فرض ہے اور یہی کام یابی کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ترقی واستحکام عطا فرمائے۔

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ قائداعظم کے بعد حکیم محمد سعید ہی وہ واحد شخصیت ہیں، جو وقت کے انتہائی پابند تھے۔ میری نظر میں حکیم صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ نونہالوں کی تربیت کا بیڑا اُٹھانا ہے۔ ہمدرد نونہال اسمبلی کا مقصد نونہالوں کی کردار سازی اور اخلاقی تربیت کرنا ہے۔ وہ نونہالوں کو ملک وملت کی تعمیر و ترقی کے سلسلے میں بنیاد قرار دیتے تھے۔ محترم نعیم اکرم قریشی نے ہر سال ١٧ اکتوبر کو قومی یومِ خدمت کے طور پر منانے اور اسکولوں میں بہترین کارکردگی دکھانے والے نونہالوں کو شہیدِ پاکستان ایوارڈ آف ایکسی لینس دینے کی تجویز بھی پیش کی۔ نونہالوں نے ایک پُر اثر خاکہ پیش کیا اور آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔

☆

بکری

ادیب سمیع چمن

کہنے کو نظر آتی ہے بیمار ہے بکری

کھا جاتی ہے من بھر وزن ، مکار ہے بکری

ڈھانچا سا بنی پھرتی ہے لاچار ہے بکری

کھانے کے لیے ہر گھڑی تیار ہے بکری

انسان تو بھوکے رہیں یہ کھاتی ہے دانہ

پھر کھا کے سنا دیتی ہے اپنا کوئی گانا

چلتی ہے اکڑتی ہوئی یہ سینگ دکھا کر

ہر چیز ختم کرتی ہے دانتوں سے چبا کر

ٹکّر بھی لگا دیتی ہے خونخوار ہے بکری

کہنے کو نظر آتی ہے بیمار ہے بکری

کہہ دو چمن تم سب سے کہ فن کار ہے بکری

کہنے کو نظر آتی ہے بیمار ہے بکری

انعامی سلسلہ ۲۲۸

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ دسمبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ یکم محرم پہلی ہجری کو سنہ عیسوی کی تاریخ ۱۶ جولائی .... تھی۔ (۶۰۴ ۔ ۶۱۳ ۔ ۶۲۲)

۲۔ خالد بن زید مشہور صحابی حضرت .... کا اصل نام تھا۔ (ابو ایوب انصاریؓ ۔ ابوذر غفاریؓ ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ)

۳۔ ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ'' یہ نعرہ مشہور شاعر .... نے ۱۹۴۵ء میں لگایا تھا۔
(اصغر سودائی ۔ احمد ندیم قاسمی ۔ محسن بھوپالی)

۴۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو پیش ہونے والی ''قرارداد لاہور'' کا اردو ترجمہ .... نے کیا تھا۔
(سر عبداللہ ہارون ۔ مولانا ظفر علی خاں ۔ مولانا عبدالحامد بدایونی)

۵۔ پاکستان کے .... کو ''رستم پاکستان'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ (گاما پہلوان ۔ حمیدہ پہلوان ۔ بھولو پہلوان)

۶۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو حکومت کے خلاف فوج نے جو کارروائی کی، اسے .... کا نام دیا گیا تھا۔
(آپریشن فیئر پلے ۔ آپریشن کلین اپ ۔ آپریشن راہ نجات)

۷۔ متحدہ عرب امارات .... ریاستوں پر مشتمل ہے۔ (پانچ ۔ سات ۔ نو)

۸۔ قازقستان کے دارالحکومت کا نام .... ہے۔ (ترانہ ۔ صوفیہ ۔ آستانہ)

۹۔ مغربی ایشیا کے ملک جارجیا کی کرنسی .... کہلاتی ہے۔ (روبل ۔ لاوی ۔ کرونا)

۱۰۔ اینمومیٹر (ANEMOMETER) نامی آلے سے .... کی قوت یا رفتار ناپی جاتی ہے۔ (بارش ۔ گرج چمک ۔ ہوا)

۱۱۔ مشہور یونانی فاتح سکندر اعظم کا انتقال .... سال قبل مسیح ہوا تھا۔ (۳۲۳ ۔ ۳۳۰ ۔ ۳۳۳)

۱۲۔ ہندی زبان میں......... کو کاگ کہا جاتا ہے۔ (کوے ۔ دنبے ۔ نڈے)

۱۳۔ ''وینزیلا'' براعظم......... کا ایک ملک ہے۔ (شمالی امریکا ۔ جنوبی امریکا ۔ افریقا)

۱۴۔ ۱۱۷۵ء سے ۱۲۰۶ء تک ہندستان پر......... نے حکومت کی۔

(شہاب الدین محمد غوری ۔ قطب الدین ایبک ۔ شمس الدین التمش)

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: توتے کی طرح آنکھیں پھیرنا۔ (زبان ۔ منھ ۔ آنکھیں)

۱۶۔ یگانہ چنگیزی کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

چت بھی اپنی ہے، پٹ بھی اپنی ہے .... میں کہاں......... ماننے والا (بات ۔ ہار ۔ کچھ)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۸ (دسمبر ۲۰۱۴ء)

نام: ______________________

پتا: ______________________

____

____

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ دسمبر ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام بہت صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (دسمبر ۲۰۱۴ء)

عنوان: ______________________

نام: ______________________

پتا: ______________________

____

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ ۔ دسمبر ۲۰۱۴ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

ہنسی گھر

😊 دیوار پر لگا وزنی کلاک اچانک نیچے گر پڑا تو بیوی نے شوہر سے کہا: ”چند سیکنڈ پہلے میں اسی جگہ کھڑی تھی، جہاں کلاک گرا ہے۔ میرا تو سر پھٹ جاتا۔“

شوہر نے فوراً کہا: ”میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ کلاک سُست ہے۔“

مرسلہ : محمد طارق قاسم قریشی، نواب شاہ

😊 ایک عورت نے پڑوسن سے پوچھا: ”آج کل تمھارے شوہر نظر نہیں آ رہے ہیں، کیا بیمار ہیں؟“

پڑوسن نے بتایا: ”ہاں دو مہینے پہلے بیمار ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر نے انھیں آرام کا مشورہ دیا تھا اور کہا تھا کہ جب تک میں نہ کہوں بستر سے نہ اُٹھنا۔ کچھ روز بعد ڈاکٹر صاحب کا انتقال ہو گیا۔“

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

😊 ایک آدمی موٹر سائیکل پر جا رہا تھا کہ سارجنٹ نے اسے کہا: ”تمھاری موٹر سائیکل کا ایک اشارہ غائب ہے۔“

وہ شخص بولا: ”عقل مند کے لیے ایک ہی اشارہ کافی ہوتا ہے۔“

مرسلہ : فاطمہ صفدر، حاصل پور

😊 ایک دوست: ”بتاؤ، بلی جگہ جگہ خود کو کیوں کھجاتی ہے؟“

دوسرا دوست: ”کیوں کہ اسی کو پتا ہوتا ہے کہ کھجلی کہاں ہو رہی ہے۔“

مرسلہ : عمیمہ ریان، کراچی

😊 کرکٹ میچ شروع ہونے سے پہلے کپتان نے اپنی ٹیم کے کھلاڑیوں کو بلا کر کہا: ”دیکھو، میرے پاس صرف ایک سو کا نوٹ ہے۔ نئی گیند خرید دو یا کوئی بھی تدبیر کرو، جس سے ہم یہ میچ جیت جائیں۔“

میچ شروع ہوا تو کپتان کو دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہی پرانی گیند استعمال میں لائی جا رہی ہے۔ میچ جیتنے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ”تم نے میرے سو روپے کے نوٹ کا کیا کیا؟“

''آپ ہی نے تو کہا تھا کہ کوئی بھی تدبیر کرو، جس سے ہم میچ جیت جائیں۔''

''تو پھر؟''

''ہم نے وہ نوٹ امپائر کو دے دیا اور میچ جیت گئے۔'' ساتھیوں نے اطمینان سے جواب دیا۔

مرسلہ : علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

😊 ایک بچہ اپنے اسکول کی لائبریری میں گیا اور لائبریرین سے کہا: ''جناب! آپ مجھے بچوں کی تربیت سے متعلق کوئی کتاب دے دیں۔''

لائبریرین نے پوچھا: ''کیا یہ کتاب آپ کے ابو یا امی نے منگوائی ہے؟''

بچے نے کہا: ''جی نہیں، میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ میرے والدین میری تربیت ٹھیک طرح سے کر رہے ہیں یا نہیں۔''

مرسلہ : شائم عمران، بلال حیدر، کراچی

😊 جج نے ملزم سے کہا: ''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم نے ایسی حماقت کیوں کی۔ تم اچھے عہدے پر فائز تھے۔ گھر میں خوش حالی تھی۔ تمھارا مستقبل روشن تھا۔ اس کے باوجود تم نے کمپنی میں غبن کیوں کیا؟''

ملزم نے کہا: ''بس جناب؟ کیا عرض کروں، انسان کے پاس جتنا ہوتا ہے، اس سے زیادہ کی ہوس رہتی ہے۔''

''ٹھیک ہے! میں تمھیں دس سال قید کی سزا دیتا ہوں۔'' جج نے اطمینان سے کہا: ''زیادہ کی ہوس ہو تو ابھی بتا دو۔''

مرسلہ : سیدہ اریب بتول، کراچی

😊 بیوی اپنے شوہر سے: ''ڈاکٹر نے مجھے لندن، پیرس اور امریکا کی سیر کرنے کا مشورہ دیا ہے، تو اب ہم پہلے کہاں جائیں گے؟''

شوہر: ''دوسرے ڈاکٹر کے پاس۔''

مرسلہ : سمعیہ وسیم، سکھر

😊 ایک شخص (بچے سے): ''ذرا میرا گھوڑا پکڑنا میں پانی پی آؤں۔''

بچہ: ''یہ کاٹے گا تو نہیں؟''

آدمی: ''بالکل نہیں۔''

بچہ: ''بھاگے گا تو نہیں؟''

آدمی: ''بالکل نہیں۔''

بچہ: ''پھر میری کیا ضرورت ہے؟''

مرسلہ : عبدالجبار رومی انصاری، لاہور

ایک پڑوسی: ''آپ کا چھوٹا بچہ بہت بُری بُری گالیاں دیتا ہے۔''

دوسرا پڑوسی: ''کوئی بات نہیں، جب بڑا ہو گا تو اچھی اچھی گالیاں دے گا۔''

مرسلہ : آصف علی کھوسہ، ڈیرہ اللہ یار

ماں بیٹے سے: ''تمھارے چہرے پر داڑھی آ گئی ہے اور اب بھی تم چوروں سے ڈرتے ہو؟''

بیٹا: ''اماں جی! یہ داڑھی ہے کوئی توپ یا بندوق تو نہیں۔''

مرسلہ : فضیلہ ذکاء بھٹی، شیخوپورہ

ایک کنجوس نے پانچ رپے کا سکہ نکالتے ہوئے اپنے بچوں سے کہا: ''یہ میں تیزاب سے بھرے ہوئے جار میں ڈال رہا ہوں، کیا یہ اس میں حل ہو جائے گا؟''

بڑے بچے نے کہا: ''جی نہیں۔''

ابا جان نے پوچھا: ''شاباش بیٹا! تم بہت ذہین ہو، لیکن تمھیں کیسے علم ہوا؟''

''اس لیے کہ اگر یہ حل ہو جاتا تو آپ کبھی اسے تیزاب میں نہ ڈالتے۔'' بچے نے خوشی سے جواب دیا۔

مرسلہ : میمونہ ریاض گوندل، بوسال مصور

ایک آدمی اپنے بیٹے سے غصے سے بولا: ''میری بات یاد رکھنا۔ اگر اب فیل ہوئے تو کبھی مجھے ابو نہ کہنا۔''

دوسرے دن اس نے بیٹے سے پوچھا: ''ہاں بھئی، رزلٹ کا کیا رہا؟''

بیٹا شرمندہ لہجے میں: ''مت پوچھیں بھائی جان! کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

مرسلہ : سعدیہ گل، کراچی

ایک بادشاہ محل سے باہر نکلا تو اس کی نظر باغیچے میں بیٹھے ایک شاعر پر پڑی جو کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ بادشاہ نے اس کے قریب آ کر پوچھا: ''میاں! کیا جھوٹ گھڑا جا رہا ہے؟''

''حضور کی شان میں قصیدہ لکھ رہا ہوں۔''

مرسلہ : شائلہ حسن، پنڈ دادن خان

ہنڈ کلیا

کیلے کی کھیر
مرسلہ : سر کشا کماری، لاڑکانہ

دودھ : دو لیٹر   کیلے : چار عدد   چاول : ۱۲۵ گرام

چینی : آدھا کلو   کھویا : ایک پاؤ

ترکیب: کیلے چھیل کر ہاتھوں سے مسل لیں۔ چاول دھو لیں اور دودھ میں ملا کر خوب پکائیں۔ جب چاول گل جائیں تو کھویا اور مسلے ہوئے کیلے ملا کر خوب گھوٹ لیں، پھر چینی ملائیں اور جوش دے کر اُتار لیں۔

شاہی حلیم خاص
مرسلہ : قمر ناز دہلوی، کراچی

گوشت (بغیر ہڈی) : ایک کلو   گندم : ایک پاؤ   دال ماش: ایک پاؤ

دال چنا : ایک پاؤ   دال ارہر : ایک پاؤ   دال مسور : ایک پاؤ

پیاز : ایک پاؤ   لہسن پسا ہوا : کھانے کے دو چمچے   گھی : ایک پاؤ

ادرک پسی ہوئی : ایک کھانے کا چمچہ   نمک : چائے کے ڈھائی چمچے

سرخ مرچ پاؤڈر : چائے کے تین چمچے   دھنیا پاؤڈر : کھانے کا ایک چمچہ

زیرہ پاؤڈر : کھانے کا ایک چمچہ   گرم مسالا : کھانے کا ایک چمچہ

ترکیب: گندم اور تمام دالوں کو الگ الگ اُبال لیں اور اچھی طرح گھوٹ لیں۔ اب گھی گرم کر کے پیاز تل لیں۔ تلی ہوئی آدھی پیاز نکال کر ایک طرف رکھ دیں۔ باقی پیاز میں لہسن اور تمام مسالے ڈال کر گوشت بھی شامل کر دیں اور بھون لیں۔ اب پانی ڈال کر گوشت کو گلنے تک پکائیں۔ اس کے بعد تمام دالیں اور گندم ڈال کر اچھی طرح گھوٹیں۔ یہاں تک کہ تمام چیزیں یک جان ہو جائیں۔ گرم مسالا، بقیہ تلی ہوئی پیاز، لیموں، ادرک، پودینہ اور ہری مرچ ڈال کر پیش کریں۔ ☆

نقلی سانپ

شیریں زادہ خدوخیل

کھلونا بازار میں عجیب وغریب اور خوب صورت کھلونوں کی بھرمار تھی۔ ان کھلونوں میں وہ ریموٹ کنٹرول پلاسٹک کے سانپ بھی تھے، جو بالکل اصلی سانپ کے جیسے دکھائی دیتے تھے۔ بٹن دبانے پر وہ اصلی سانپ کی طرح حرکت کرتے اور پھنکارتے بھی تھے۔

سب ان میں دل چسپی لے رہے تھے۔ جب ناصر کی نظر اس پر پڑی تو وہ حیرت سے دیکھنے لگا کہ یہ اصلی سانپ ہے یا نقلی۔ تجسس کو دور کرنے کی خاطر جب ہاتھ بڑھایا تو وہ سانپ اچانک بل کھانے اور پھنکارنے لگا۔ ناصر دہشت زدہ ہو کر اپنی ماں سے چمٹ گیا۔ کھلونوں کے ڈھیر میں یوں سانپ کو پھنکارتے اور بل کھاتے ہوئے دیکھ کر اس کی ماں بھی گھبرا گئی، مگر دوسرے لمحے بیچنے والے نے سانپ کو اُٹھا کر ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: ''بیگم صاحبہ! یہ بالکل اصلی سانپ کی طرح ہے۔ چائنا کا نیا مال ہے، ریموٹ کنٹرول سے چلتا ہے۔ قیمت کچھ اتنی زیادہ نہیں۔''

''ہائے اللہ! تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔'' ناصر کی ماں نے کہا۔ ناصر کا خوف قدرے دور ہو چکا تھا۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اس سانپ کو اٹھا لیا۔ اس کی قیمت زیادہ تھی۔ ناصر کی ضد پر اس کی ماں نے نہ چاہتے ہوئے یہ سانپ مجبوراً اس کے لیے خرید لیا۔

سانپ خریدنے پر ناصر بے حد خوش ہوا۔ وہ بار بار اس کے ریموٹ کے بٹن دباتا اور اس کے پھنکارنے اور بل کھانے سے لطف اٹھاتا رہا۔ اس کے ساتھ اس کے ذہن میں

یہ خیال پیدا ہوا کہ گھر پہنچ کر وہ اپنی بڑی بہن کو ڈرائے گا۔ ہمسائے جمیل کو بے وقوف بنائے گا اور کلاس روم میں اودھم مچائے گا۔ اب ناصر کا دل بازار میں نہیں لگ رہا تھا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر باقاعدہ اپنی شرارتوں کا آغاز کرنا چاہتا تھا۔

گھر پہنچ کر ناصر نے نقلی سانپ سب سے پہلے اپنی بڑی بہن راشدہ کی گود میں پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی ریموٹ کا بٹن دبایا تو سانپ اس کی جھولی میں پھنکارنے اور بل کھانے لگا۔ اپنی جھولی میں سانپ کو یوں پھنکارتے اور بل کھاتے دیکھ کر راشدہ کی چیخیں نکل گئیں۔

''اوہو! یہ کیا بدتمیزی ہے۔ یہ سانپ میں نے اس لیے خرید کر دیا تھا کہ تم اس سے لوگوں کو ڈراؤ۔'' ناصر کی ماں نے غصے سے کہا۔

مگر وہ ماں کی ڈانٹ ڈپٹ سے بے نیاز ہنس رہا تھا۔ راشدہ پہلے تو کچھ نہیں سمجھی، پھر جب معاملہ اس کی سمجھ میں آیا تو وہ ناصر کو مارنے کے لیے لپکی، مگر وہ ماں کے پہلو میں چھپ گیا اور پھر جب اس کا غصہ ذرا ٹھنڈا ہوا تو وہ بھی اس سانپ کو بڑی دل چسپی اور تعجب سے دیکھنے لگی۔

ظہر کی نماز کا وقت ہوا تو ماں نے ڈپٹ کر کہا: ''ناصر! یہ سانپ رکھو اور مسجد جاؤ۔ دیر ہو رہی ہے۔ نماز کے بعد حافظ صاحب سے نیا سبق ضرور لینا، ورنہ گھر میں قدم نہیں رکھنے دوں گی۔''

ناصر پہلے تو عموماً نماز اور قرآن شریف پڑھنے میں کاہلی اور ٹال مٹول سے کام لیتا تھا، مگر آج خلافِ توقع فوراً مسجد کی طرف چل پڑا۔

نماز پڑھنے کے بعد جب زیادہ تر نمازی رخصت ہو گئے اور حافظ صاحب بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے بیٹھ گئے تو ناصر پانی پینے کے بہانے وضو خانے گیا اور پھر واپس آ کر بچوں کے ساتھ بیٹھ کر ناظرہ پڑھنے لگا، مگر اس کا ذہن کسی اور طرف لگا ہوا تھا۔ اب مسجد میں اِکا دُکا نمازی رہ گئے تھے کہ اچانک ایک نمازی ہانپتا ہوا حافظ صاحب کے پاس آیا: ''مولوی صاحب! مولوی صاحب!'' وہ بُری طرح گھبرایا ہوا تھا۔

''خیر تو ہے! کیوں اتنے گھبرائے ہوئے ہو؟'' حافظ صاحب نے اُٹھ کر کہا۔

''مولوی صاحب! وضو خانے میں ایک سانپ نکل آیا ہے۔'' اس نمازی نے بدستور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''وضو خانے میں سانپ؟'' حافظ صاحب نے حیرت سے کہا۔

''ہاں جی! آیئے ابھی آپ کو دکھاتا ہوں۔'' حافظ صاحب کے ساتھ دوسرے لڑکے بھی وضو خانے کی طرف سانپ دیکھنے کے لیے چل پڑے۔

وضو خانے میں جہاں زمین کچی اور گیلی تھی، وہاں کونے میں ایک سیاہ سانپ گول لپٹا ہوا نظر آ رہا تھا۔ حافظ صاحب چند لڑکوں کے ہمراہ نزدیک گئے تو سانپ پھنکارنے لگا۔ سب گھبرا کر جلدی سے پیچھے ہٹ گئے۔

اب اچھا خاصا مجمع لگ گیا تھا۔ تمام بچے اور نمازی بھی وضو خانے میں سانپ کو دیکھ کر گھبرائے ہوئے تھے۔ نمازیوں میں اتفاق سے ناصر کے والد بھی تھے، جو اب قضا نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آئے تھے۔ پہلے تو ناصر دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ سب کو بے وقوف بنا دیا، مگر اپنے والد کو دیکھ کر اب وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہا تھا۔ اس کے

ساتھ اس کو یہ خوف بھی ہوا کہ اگر اس کے والد کو پتا چل گیا کہ یہ اس کی شرارت ہے تو اللہ جانے اس کی کیا درگت بنے گی۔

اس وقت مولوی صاحب اور نمازی سانپ کو مارنے کے لیے تدبیریں کر رہے تھے کہ ایک مزدور کندھے پر بیلچہ رکھے وضو خانے میں آیا تو مولوی صاحب نے آواز دی: ''خان صاحب! وضو خانے میں سانپ ہے۔''

''وضو خانے میں سانپ ہے، کدھر ہے؟'' مزدور نے نمازیوں کی طرف دیکھا۔

''وہ کونے میں ہے۔'' ایک شخص نے اشارہ کیا۔

سانپ پر نظر پڑی تو مزدور نے اپنا بیلچہ اٹھایا اور اس کے وار کر کے سانپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، جو وضو خانے کی کچی زمین میں ہی دب گیا اور ناصر کی خوش قسمتی سے کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ سانپ اصلی ہے یا نقلی۔ سانپ کو مارنے کے بعد خان صاحب نے بیلچے سے سانپ کو مٹی سمیت اٹھایا اور مسجد کے سامنے کھلے گٹر میں پھینک دیا اور واپس آ کر بے نیازی سے وضو کرنے لگا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، جب کہ نمازی اور لڑکے، مزدور کی بہادری کی داد دے رہے تھے۔

ناصر دل میں اس بات پر خوش تھا کہ اس کی شرارت پردے میں رہی۔ والد صاحب، مولوی صاحب اور دیگر لوگوں کو اس کی شرارت کا پتا نہیں چل سکا، مگر ساتھ اس بات کا افسوس بھی تھا کہ اس شرارت کی وجہ سے اسے اپنے قیمتی سانپ سے ہاتھ دھونا پڑا، جو اس کی ماں نے آج ہی بہت اصرار پر اس کے لیے خریدا تھا۔ اب اسے یہ فکر بھی کھائے جا رہی تھی کہ ماں کو قیمتی سانپ کے گم ہو جانے کے بارے میں کیا بتائے گا۔ ☆

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ اکتوبر ۲۰۱۴ء کے بارے میں ہیں

❁ اکتوبر کے شمارے میں مجموعی طور پر اچھی بڑی کہانیاں شائع ہوئیں، جن میں گہرا راز (شازیہ فرحین) اول رہی۔ والدین کی دعاؤں کی تاثیر سے تقدیر بدل جانے کے ایمان افروز موضوع کو انھوں نے کمالِ مہارت سے قلم بند کیا ہے۔ جذبے کی جیت (جاوید بسام) بھی شاندار اصلاحی تحریر ثابت ہوئی کاش کہ ہم سب مرکزی کردار زمان بابا کی طرح ہو جائیں تو سماجی اصلاح ناممکن نہ رہے۔ بکرے کی ماں (انور فرہاد) میں ایک ماں کے جذبات و احساسات کی دردناک منظر کشی کی گئی۔ بلاشبہ ماں، ماں ہوتی ہے، اس کی محبت لازوال ہوتی ہے۔ بھائی کی امانت، سو برس کی نانی اور بلاعنوان کہانی کا بھی جواب نہیں، بہت پسند آئیں۔ مسجدِ طوبیٰ کے متعلق رانا محمد شاہد کا معلوماتی مضمون پڑھنے کے بعد دل اس من موہنی مسجد کے دیدار کے لیے مچل اُٹھا۔ ادیب سمیع چمن، تنویر پھول اور حکیم خاں حکیم کے کلام دل میں گھر کر گئے۔ **پیر نوید شاہ، ٹنڈو جام۔**

❁ کہانیوں میں بھائی کی امانت اور گہرا راز بہت شاندار تھیں۔ تسلیم الٰہی زلفی کی نعت شریف پڑھ کر دل کو سرور آ گیا۔ میں پاکستانی فوجی ہوں اور قربانی کا جانور دونوں کاوشیں بہت ہی پسند آئیں۔ بلاعنوان کہانی بہت ہی زبردست تھی۔ لالچ کی سزا اور "باادب اور بے ادب" نونہال ادیب میں بہت ہی سبق آموز کہانیاں تھیں۔ **عائشہ ثاقب جنجوعہ، نجبہ ثاقب، صدف، ثانیہ، راجا فرخ حیات، پنڈ دادن خان۔**

❁ ہمدرد نونہال ہر لحاظ سے بہترین اور ایک مکمل رسالہ ہے۔ تازہ شمارہ بہترین رہا۔ سب کہانیاں اپنی جگہ اچھی لگیں۔ سچ مچ ہمدرد نونہال سے زیادہ نونہالوں کا ہمدرد اور کوئی نہیں۔ یہ بچوں کو مزے مزے کی کہانیاں، نت نئی معلومات کے خزانے، ہنسی کا گھر، حکمت کی باتیں، پیارے پیارے خیالات اور بہت کچھ کام کی باتیں فراہم کرتا ہے۔ انکل! میں نے ایک شمارے میں پڑھا اگر ہم تصویریں بھیجیں اور وہ مسترد ہو جائیں تو ان کو منگوانے کے لیے جوابی لفافہ بھیجیں۔ انکل! یہ جوابی لفافہ کسے کہتے ہیں وضاحت کر دیجیے۔ **عائشہ محمد خالد قریشی، جگنا معلوم۔**

> خوشی ہوئی کہ ہمدرد نونہال آپ کو پسند آیا۔ کسی کو خط لکھ کر ہم چاہتے ہیں کہ وہ بغیر رقم خرچ کیے جواب دے، تو اپنے خط کے ساتھ ہی اپنا پتا لکھا ہوا لفافہ بھی رکھ دیتے ہیں۔ اسی کو جوابی لفافہ کہتے ہیں۔ اس لفافے پر ٹکٹ بھی لگے ہوتے ہیں۔

❁ اکتوبر کے ہمدرد نونہال کا سرورق دل کو چھو لینے والا تھا۔ جاگو جگاؤ میں عید الاضحیٰ پر قربانی کی اہمیت کو اُجاگر کیا گیا۔ پہلی بات دل میں گھر کر گئی۔ کہانیوں میں جذبے کی جیت، بھائی کی امانت اور بکرے کی ماں معیار کی اعلا بلندیوں پر فائز تھیں۔ نظموں میں شہیدِ ملت، قومی زبان دل کی گہرائیوں میں اُتر گئیں۔ بلاعنوان کہانی تجسس سے بھرپور اور بہت ہی حیرت انگیز تھی۔ **راجا ثاقب محمود ثاقی جنجوعہ، پنڈ دادن خان۔**

❁ جاگو جگاؤ، پہلی بات، نعت شریف، میں پاکستانی فوجی ہوں، جذبے کی جیت، بکرے کی ماں، سو برس کی نانی بہترین کہانیاں اور تحریریں تھیں۔ محترمہ رئیس فاطمہ کی کہانیاں اور نعت شریف ضرور شائع کیا کریں۔ بلاعنوان کہانی اس رسالے کی سب سے بہترین کہانی ہے۔ **حسن رضا سردار، کاموکی۔**

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ اس دفعہ سرورق مختلف تھا اور کہانیوں کا انتخاب بھی لاجواب تھا۔ ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ جذبے کی جیت، بکرے کی ماں اور بھائی کی امانت بہت اچھی تھیں۔ گہرا راز سبق آموز کہانی تھی اور ہنسی گھر کے لطیفے تو لاجواب تھے۔ اتنا خوب صورت شمارہ شائع کرنے پر آپ کو مبارک باد قبول ہو۔ **سید محمد اسامہ، کورنگی، کراچی۔**

❁ اس بار کا شمارہ بہت ہی عالی شان ہے۔ کہانیوں نے دل کو باغ باغ کر دیا۔ سو برس کی نانی، گہرا راز، جذبے کی جیت، بکرے کی ماں، بھائی کی امانت بہت دل چسپ ہیں۔ **شیزہ صفوان، بہادر آباد۔**

❁ اس بار کا شمارہ پڑھ کر دل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ کہانیوں نے رسالے میں چار چاند لگا دیے۔ انکل! اس بار مسکراتی لکیریں اور لطیفے اچھے نہیں تھے۔ مجھے معلومات کے سوالات مشکل لگتے ہیں۔ ہمیشہ کی طرح نونہال لغت اور روشن خیالات سے علم میں اضافہ ہوا۔ **نیہا صفوان، بہادر آباد۔**

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت دل چسپ تھا۔ ساری کہانیاں پھولوں کی طرح مہک رہی تھیں۔ ہمدرد نونہال بچوں کو بہت سی معلومات دیتا ہے۔ اللہ کرے ہمارا ہمدرد نونہال اسی طرح قائم رہے۔ **عبدالاحد صفوان، بہادر آباد۔**

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت کھلکھلاتا ہوا لگا۔ ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ میں پاکستانی فوجی ہوں، جذبے کی جیت، بکرے کی ماں اور سو برس کی نانی بہت دل چسپ تھیں۔ **ابوزر صفوان، بہادر آباد۔**

❁ اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ سب سے اچھی کہانی بلاعنوان لگی۔ بھائی کی امانت بھی اچھی تھی۔ **عریشہ بنتِ حبیب الرحمٰن، کراچی۔**

❁ اکتوبر کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ سب سے اچھی کہانی جذبے کی جیت تھی۔ میں ہمدرد نونہال بڑے شوق اور پابندی سے پڑھتی ہوں۔ مسکراتی لکیریں بہت اچھی تھیں۔ نظموں میں شہیدِ ملت بہت اچھی تھی۔ **طوبیٰ جاوید انصاری، بہاول نگر۔**

❁ ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ پہلے سے بڑھ کر خوب صورت ہوتا ہے۔ اس کی ایک ایک تحریر سبق آموز اور آفرین کہنے کے قابل ہوتی ہے۔ میں پاکستانی فوجی ہوں، جذبے کی جیت، بکرے کی ماں اور سو برس کی نانی اس رسالے کی جان ہیں۔ بھائی کی امانت اور بلاعنوان کہانی نے دل موہ لیا۔ نعتِ رسولِ مقبولؐ سے ایمان کے گلشن میں بہار آ گئی ہے۔ **حلیمہ نشان، خدیجہ نشان، نور حسین قادری، کاموکی۔**

❁ ہمدرد نونہال ہمیشہ کی طرح زبردست تھا۔ ہر تحریر ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر مزہ آیا۔ **محمد اذعان خان، کراچی۔**

❁ ہمدرد نونہال آپ کی بھرپور محنت اور کوششوں کی وجہ سے روز بہ روز ترقی کرتا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے ایسے ہی قائم و دائم رکھے۔ ہمدرد نونہال کی کہانیاں بہت ہی دل چسپ اور حیرت انگیز ہوتی ہیں۔ انکل! اگر آپ انگریزی ادب سے بھی کچھ سنسنی خیز کہانیاں شائع کریں تو

رسالے میں اور نکھار آ جائے گا۔ نام پتا نا معلوم۔

٭ اکتوبر کا شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح بہترین رہا۔ کہانیوں میں جذبے کی جیت، سو برس کی نانی، بکرے کی ماں بہت اچھی تھیں۔ پہلی بات اور جاگو جگاؤ بھی بہت اچھا تھا۔ نظم اجو اور فجو بہت اچھی تھی۔ بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ انکل! پیاری سی پہاڑی لڑکی اور ایک طوفانی رات منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ حفصہ نادر خان، میرپور خاص۔

پیاری سی پہاڑی لڑکی منگوانے کے لیے ۶۵ روپے اور ایک طوفانی رات کے لیے ۱۲۰ روپے یعنی دونوں کتابوں کے لیے ۱۸۵ روپے کا منی آرڈر بھیجیں اور اپنا نام پتا صاف صاف لکھیں۔

٭ اکتوبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور معلومات افزا پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ کہانیوں میں سو برس کی نانی، گہرا راز، جذبے کی جیت اور بلاعنوان انعامی کہانی اچھی لگیں۔ اس دفعہ بلاعنوان کہانی کافی مشکل تھی۔ عبیرہ صابر، کراچی۔

٭ اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ اس میں بھائی کی امانت، سو برس کی نانی، بکرے کی ماں، جذبے کی جیت سپر ہٹ تھیں، مگر ہنسی گھر، گہرا راز بہت ہی اچھی تھیں۔ تمام معلوماتی سلسلے بھی بہت شان دار تھے۔ رانیہ فرید، کراچی۔

٭ اکتوبر کا شمارہ بہت زبردست تھا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ جذبے کی جیت، گہرا راز، سو برس کی نانی اچھی لگیں۔ عائشہ امتیاز، کراچی۔

٭ اکتوبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ ساری کہانیاں اچھی تھیں۔ گہرا راز (شازیہ فرحین)، جذبے کی جیت (جاوید بسام)، بھائی کی امانت (سیف خلیل الرحمن) اور بلاعنوان کہانی بہت پسند آئیں۔ جاگو جگاؤ معلومات سے بھرپور تھا۔ روشن خیالات سے زندگی گزارنے کا صحیح سبق ملتا ہے۔ تحریم فاطمہ، حسان علیم، عبدالحنان، انعام الرحیم، ملتان۔

٭ روشن خیالات یہ وہ سلسلہ ہے جو یقیناً دل و دماغ کو روشن کر دیتا ہے۔ مسکراتی لکیریں بے ساختہ کھلکھلانے پر مجبور کر دینے والا سلسلہ ہے۔ علم دریچے علم سے بھرپور سلسلہ ہے جو کہ بہت کچھ سکھا جاتا ہے۔ بیت بازی اور ہنسی گھر بھی اچھے تھے، لیکن اب لطیفوں میں کوئی خاص کشش محسوس نہیں ہوتی۔ صدف مختار، بوسال مصور۔

٭ جاگو جگاؤ، پہلی بات، ہمیشہ کی طرح لاجواب تھے۔ میں پاکستانی فوجی ہوں (مسعود احمد برکاتی)، جذبے کی جیت (جاوید بسام)، بکرے کی ماں (انور فرہاد) بہت اچھی تحریریں تھیں۔ بلاعنوان کہانی (سمعیہ غفار میمن) تو لاجواب تھی، پڑھ کر مزہ آیا۔ مسجدِ طوبیٰ کے بارے میں معلومات اچھی تھی۔ ایسی معلومات دیتے رہا کریں۔ ہنسی گھر کے سب لطیفے اچھے تھے۔ بیت بازی کے شعر بہت اچھے لگتے ہیں۔ مہرین فاطمہ، پرانا سکھر۔

٭ ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور اس کی تعریف میں لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ سے مجھے بہت زیادہ فائدہ ہوا ہے۔ مجھے اس کے پڑھنے سے دین کی تعلیم بھی حاصل ہوئی ہے اور سائنس کی بھی۔ اس رسالے میں سب سے پہلے جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھ کر میری بہت زیادہ اصلاح ہوئی ہے اور میرے اندر اچھی تبدیلیاں آئی ہیں۔ جواد الحسن، لاہور۔

٭ اکتوبر کا شمارہ اتنا سپر ہٹ تھا کہ ہمیں قلم ہاتھ میں اُٹھانا ہی پڑا۔ شمارے میں پہلے نمبر پر بھائی کی امانت (سیف

خلیل الرحمن)، دوسرے پر جذبے کی جیت (جاوید بسام) اور تیسرے نمبر پر گہرا راز (شازیہ فرحین) پسند آئی۔ کوئی اور انعامی سلسلہ بھی شروع کردیں۔ علم دریچے سے "علم" میں اضافہ ہوا۔ بلاعنوان کہانی لاجواب تھی۔ **محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔**

● ہمدرد نونہال میرا بہترین دوست ہے۔ تازہ شمارہ بہت ہی زبردست تھا۔ میں نے تو ایک ہی دن میں پورا کا پورا رسالہ پڑھ لیا۔ کہانیوں میں تمام کی تمام کہانیاں زبردست تھیں۔ اس بار نظمیں بھی بہت زبردست تھیں۔ **سائرہ سکندر، کراچی۔**

● اکتوبر کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ، پہلی بات کے سلسلے بہت پسند آئے۔ اس کے علاوہ کہانیاں جذبے کی جیت، بکرے کی ماں، بھائی کی امانت، سو برس کی نانی اور بلاعنوان کہانی بے حد پسند آئیں۔ **حفیظ احمد، راولپنڈی۔**

● اکتوبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر بلاعنوان کہانی، دوسرے نمبر پر گہرا راز اور جذبے کی جیت جب کہ تیسرے نمبر پر بکرے کی ماں تھیں۔ نظموں میں "اجو اور فجو" اور قومی زبان اچھی لگیں۔ نونہال مصور کا صفحہ رسالے کی جان ہوتا ہے۔ ہنسی گھر نے تو ہنسا ہنسا کر ہمارے پیٹ میں درد کردیا۔ **عرشیہ نوید، حفصہ نوید، کراچی۔**

● اکتوبر کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ اور اس مہینے کا خیال پسند آیا۔ بلاعنوان انعامی کہانی (سمعیہ غفار میمن) ٹاپ پر تھی۔ کوئی اچھا سلسلے وار ناول بھی شروع کریں۔ زیادہ سے زیادہ معلوماتی تحریریں شائع کیا کریں، تاکہ معلومات میں اضافہ ہو سکے۔ **نعیم اللہ، بڈالی۔**

● اکتوبر کا شمارہ اچھا تھا۔ مستقل سلسلے بھی بہت اچھے لگے۔ انکل! آپ سے ایک گزارش ہے کہ معلوماتی تحریروں میں اضافہ کردیں، تاکہ رسالے کو چار چاند لگ جائیں۔ **کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی۔**

● اکتوبر کے شمارے میں بہت اچھی معلومات دی گئی تھیں۔ مجھے اچھی کہانیاں اور ہنسی گھر پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ اب میں نے ہمدرد نونہال کو پڑھنے کی ابتدا کرلی ہے اور میں اس رسالے میں حصہ لینا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے بتائیں کہ میں آپ کو کس طرح کی تحریریں اور کہانیاں بھیج سکتا ہوں۔ **محمد جہانگیر عباس جوئیہ، ملیر، کراچی۔**

پہلے چند مہینے غور سے ہمدرد نونہال پڑھیے اور دیکھیے کہ کیسی تحریریں چھپتی ہیں، پھر اسی طرح کی تحریریں ارسال کردیں۔

● اکتوبر کا شمارہ بہت ہی شان دار تھا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ بلاعنوان کہانی لاجواب تھی۔ **سیدہ اریبہ بتول، کراچی۔**

● اس مہینے کا سرورق بھی بہت پسند آیا۔ **مہوش حسین، جگہ نامعلوم۔**

● جاگو جگاؤ سے معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔ اس مہینے کا خیال بہت خوب تھا۔ تمام نظمیں اور کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ جذبے کی جیت لکھنے والے جاوید بسام بہت اچھی کہانیاں لکھتے ہیں، جن سے ہم کو بہت سبق ملتا ہے۔ بکرے کی ماں (انور فرہاد)، گہرا راز (شازیہ فرحین)، بھائی کی امانت (سیف خلیل الرحمن) اور بلاعنوان انعامی کہانی (سمعیہ غفار میمن) یہ تمام کہانیاں سپر ہٹ تھیں۔

ثوبیہ رانی، محمد رمضان مغل، نواب شاہ۔

● اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا لگا۔ بلاعنوان عنوان انعامی کہانی (سمعیہ غفار میمن)، بکرے کی ماں (انور فرہاد) اور بھائی کی امانت (سیف خلیل الرحمن) سمیت تمام کہانیاں بہت ہی خوب صورت تھیں۔ محمود اسلام، کراچی۔

● اکتوبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ اس دفعہ بلاعنوان کہانی بہت الگ تھی، جسے پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ انکل! اگر مجھے کوئی نظم یا بیت بازی کے لیے کچھ بھیجنا ہو اور مجھے اس کے شاعر کا نام معلوم نہ ہو تو میں کیا کروں؟ عمیر کامران، کراچی۔

شاعر کا نام اپنے بڑوں سے پوچھیں، کتابوں میں تلاش کریں۔ شاعر کا نام ہونا چاہیے۔

● اکتوبر کے شمارے میں تمام تحریریں "چٹ پٹی" اور لاجواب تھیں۔ سب سے ٹاپ پر میں پاکستانی فوجی ہوں اور سورج ڈوب گیا لگیں۔ ان تحریروں میں بہت ہی سبق آموز باتیں تھیں۔ پاکستانی فوج کے بارے میں معلوماتی مضمون تحریر کرنا آپ کا منفرد کارنامہ ہے۔ وقار الحسن، اوکاڑہ۔

● اکتوبر کا شمارہ بھی ہمیشہ کی طرح شان دار تھا۔ تحریروں میں پاکستانی فوجی ہوں، جذبے کی جیت، بکرے کی ماں، بھائی کی امانت اور سو برس کی نانی تمام ہی کہانیاں اچھی تھیں۔ اس مہینے کے خیال نے سب کہانیوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ یہ ایک سطر پورے رسالے پر حاوی تھی۔ نعت شریف اور نظمیں قومی زبان، شہیدِ ملت بھی زبردست تھیں۔ محمد احسان عثمان، کراچی۔

● اکتوبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ تمام ٹیم کی محنت اس میں جھلک رہی تھی۔ خاص طور پر جذبے کی جیت اچھی لگی۔ بلاعنوان بھی دل چسپ رہی۔ بلا مبالغہ تمام کہانیاں اپنی جگہ لاجواب تھیں۔ محمد قمر الزماں، خوشاب۔

● اکتوبر کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ ہر تحریر شان دار تھی۔ نظموں میں قومی زبان اور اجو اور فجو اچھی لگی۔ کہانیاں تو تمام ہی زبردست تھیں۔ خاص طور پر بکرے کی ماں، بھائی کی امانت اور جذبے کی جیت دل چسپ تھیں۔ رفیدہ سحر، حیدرآباد۔

● اکتوبر کا شمارہ عیدالاضحیٰ اور شہیدِ ملت اور شہیدِ پاکستان کی مناسبت سے اچھا لگا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات اچھی لگی۔ ہمارے ہادیِ برحق کا آخری حج اچھا لگا۔ میں پاکستانی فوجی ہوں، ایک خوب صورت تحریر تھی۔ قربانی کا جانور اچھا لگا۔ سورج ڈوب گیا اور ہارون رشید اور امام مالک، دل پر اثر کرنے والی تحریریں تھیں۔ جذبے کی جیت خوب صورت دل گداز کہانی تھی۔ بچوں کا سرسید، بہت ہی زبردست مضمون تھا، جس میں ہمارے لیے سبق تھا۔ مسجدِ طوبیٰ معلوماتی مضمون تھا۔ بھائی کی امانت سماجی کہانی تھی۔ سو برس کی نانی اچھی تحریر تھی۔ نونہال ادیب اچھا رہا۔ آیئے مصوری سیکھیں بہت اچھا لگا۔ گھبرا راز خوب صورت کہانی تھی۔ ہنڈ کلیا مزے دار لگی۔ آمنہ سمعیہ، عائشہ، ہانیہ، زہرہ، حسن، کراچی۔

● سب سے پہلے جاگو جگاؤ پڑھا۔ اس کے بعد پہلی بات پڑھی۔ ہمیشہ کی طرح مزہ آیا۔ نعت شریف بہت ہی پیارے انداز میں لکھی گئی تھی۔ نظمیں بھی ساری اچھی تھیں۔ مضامین میں ہمارے ہادیؐ برحق کا آخری حج اچھا لگا۔ شہید حکیم محمد سعید کا مضمون ہارون رشید اور امام مالک پڑھ کر اساتذہ کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ ہوا۔ سب سے اچھی کہانی بکرے کی ماں، اس کے بعد جذبے کی جیت اور گھبرا راز اچھی لگیں۔ بلاعنوان کہانی بھی تجسس سے بھرپور تھی۔ بھائی کی امانت اور سو برس کی نانی بہترین کہانیاں تھیں۔ حاصمہ فرحین، کراچی۔ ☆

جوابات معلومات افزا - ۲۲۶

سوالات اکتوبر ۲۰۱۴ء میں شایع ہوئے تھے

اکتوبر ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا - ۲۲۶ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے قرعہ اندازی کے ذریعے سے پندرہ نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت سورۃ الناس ہے۔

۲۔ حضرت لوطؑ کے والد کا نام حاران تھا۔

۳۔ مشہور کتاب ''فسانہ مبتلا'' ڈپٹی نذیر احمد کی تصنیف ہے۔

۴۔ جاپانی پہلوان انوکی سے مقابلہ کرنے والے جھارا پہلوان کا اصل نام زبیر تھا۔

۵۔ ماہرِ تعمیر نصر الدین مرات خان نے مینار پاکستان کا ڈیزائن بنایا تھا۔

۶۔ قیامِ پاکستان کے بعد سب سے پہلے ایران نے پاکستان کو تسلیم کیا۔

۷۔ ''فِضّہ'' عربی زبان میں چاندی کو کہتے ہیں۔

۸۔ سنگاپور کے دار الحکومت کا نام سنگاپور ہی ہے۔

۹۔ قدیم یونان کا مشہور شاعر ہومر اندھا تھا۔

۱۰۔ عمران خاں نے جون ۱۹۷۱ء میں اپنا پہلا کرکٹ ٹیسٹ میچ کھیلا تھا۔

۱۱۔ پیٹر اعظم روس کا مشہور بادشاہ تھا جو ۱۶۷۲ء میں پیدا ہوا تھا۔

۱۲۔ بل فائٹنگ اسپین (پرانا نام ''اندلس'') کا قومی کھیل ہے۔

۱۳۔ مکھی کی چھے ٹانگیں ہوتی ہیں۔

۱۴۔ ستمبر ۱۹۷۸ء میں مصر اور اسرائیل کے درمیان ہونے والا سمجھوتا معاہدہ کیمپ ڈیوڈ کہلاتا ہے۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ یہ ہے: ''ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔''

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ، گھبرائیں کیا

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے بیس خوش قسمت نونہال

☆ **کراچی:** ناعمہ تحریم، سید شہظل علی اظہر، سیدہ مریم محبوب، سید ولید حسن، تابندہ آفتاب، محمد سعد نوید ☆ **حیدرآباد:** نسرین فاطمہ، مرزا اسفار بیگ

☆ **لاہور:** محمد شادمان صابر ☆ **راولپنڈی:** محمد ارسلان ساجد

☆ **سانگھڑ:** محمد ثاقب منصوری ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد ☆ **وزیرآباد:** جویریہ وسیم ہاشمی

☆ **ٹنڈو محمد جان:** نبی شیر ☆ **اسلام آباد:** شوکت محمود

۱۶ درست جوابات دینے والے انعام یافتہ نونہال

☆ **کراچی:** سید باذل علی اظہر، سید عفان علی جاوید، سیدہ جویریہ جاوید، عائشہ بنتِ اقبال، عمر احمد، عبہر کامران، سیدہ سالکہ محبوب، شاہ ایمان علی، علینا اختر، سید عمران حیدر، سید اعظم مسعود، اسماء عباسی، محمد ہمایوں ڈار، ضحیٰ عامر، محمد تیمور عامر، محمد آصف انصاری، لائبہ فاطمہ، اسماء ارشد، ہانیہ شفیق، محمد احسان عثمان، محمد حسن نوید ☆ **حیدرآباد:** سید محمد عمار حیدر، صبا سعید، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ **لاہور:** امتیاز علی ناز، مطیع الرحمٰن ☆ **راولپنڈی:** اسوہ عمران چودھری ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆ **پشاور:** محمد حمدان ☆ **بہاول پور:** مبشرہ حسین ☆ **کشمور:** طارق محمود کھوسو ☆ **سکرنڈ:** صادقین ندیم خانزادہ ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **تلہ گنگ:** عقیلہ رباب منہاس ☆ **ننکانہ صاحب:** محمد حسن نواز ☆ **خوشاب:** محمد قمر الزماں۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ **کراچی:** لیاہ اعجاز، محمد شایان، زنیرہ خان، کومل فاطمہ اللہ بخش، علیزہ نوید صدیقی، یسریٰ فرزین، سیدہ اریبہ بتول، زینب زاہد، نمرہ رامین ☆ **راولپنڈی:** محمد بن قاسم ☆ **اسلام آباد:** حمزہ حسن خان

☆لاہور: صفی الرحمٰن ☆پرانا سکھر: رباب فاطمہ ☆کشمور: عبدالغفار بلوچ ☆بہاول نگر: طوبیٰ جاوید انصاری ☆ڈیرہ اللہ یار: برکت علی کھوسہ ☆کوٹلی: شہریار احمد چغتائی ☆حیدرآباد: مریم عارف، ماہ رخ خلیل مغل۔ ☆اٹک سٹی: اسماعثمان ☆شیخوپورہ: محمد احسان الحسن۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆کراچی: آمنہ خان، عریشہ بنت حبیب الرحمٰن، رضی اللہ خان، محمد بلال صدیقی ☆لاہور: فریحہ عبدالقادر صوفی ☆بہاول پور: محمد اسامہ اقبال ☆ڈیرہ اللہ یار: آصف علی کھوسہ ☆جامشورو: حافظ مصعب سعید ☆سکھر: عائشہ محمد خالد قریشی ☆حیدرآباد: محمد عدیل رشید ☆راولپنڈی: تحریم احمد۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆کراچی: اسریٰ خان، محمد شافع، بہادر، رضوان ملک، احمد رضا ☆راولپنڈی: محمد حذیفہ اسلم ☆ٹوبہ ٹیک سنگھ: فاطمہ حبیب ☆کامونکی: حلیمہ نشان، خدیجہ نشان، نورحسن قادری کرکٹر، حسن رضا سردار ☆حیدرآباد: محمد کلیم بیگ۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆کراچی: سید سبطین احمد، احمد حسین، محمد فہد الرحمٰن، کامران معراج گل آفریدی، فضل ودود خان، صفی اللہ، طاہر مقصود، فضل قیوم خان، سمعیہ توقیر ☆راولپنڈی: شہزادی کومل، ثمین شوکت بیگ ☆حیدرآباد: پیر حیدر علی شاہ ☆اٹک سٹی: محمد عباس بن محمود آصف ☆پنڈ دادن خان: عائشہ ثاقب راجا۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆کراچی: بشریٰ زاہد، محمود اسلام، امہ ایمن عمر حیات، علی حسن محمد نواز، محمد عثمان خان، احسن محمد اشرف، جلال الدین اسد، معین الدین غوری ☆تلہ گنگ: عید محمد انصاری ☆میرپور خاص: فیضان احمد خان۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال اکتوبر ۲۰۱۴ء میں محترمہ سمعیہ غفار میمن کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد ایک عنوان "بھکاری ڈپارٹمنٹ" کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے چار نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ ان نونہالوں کو انعام کے طور پر ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ مستنیرہ معظم، لاہور

۲۔ شوکت محمود، اسلام آباد

۳۔ عمار اللہ خان، کراچی

۴۔ محمد کامران علی، حیدر آباد

﴿ چند اور اچھے عنوانات ﴾

فوری ضرورت ہے۔ نئے دور کے بھکاری۔ اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں۔ بُرے پھنسے۔ انوکھی حقیقت۔ تربیت یافتہ بھکاری۔ سبز باغ۔ لاجواب نوکری۔ انوکھی ملازمت۔ دور کے ڈھول سہانے

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: آمنہ خان، اسریٰ خان، فاطمہ احمد، نادیہ اقبال، ماہ جبین عادل عباسی، رضی اللہ خان، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، محمد اذعان خان، عبہر کامران، عمر

احمد، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، سید شمظل اظہر، سید باذل علی اظہر، سید عمران حیدر، مصامص شمشاد غوری، علینا اختر، محمد شایان اعوان، کنزالایمان، عریشہ بنتِ حبیب الرحمٰن، واجد نگینوی، محمد شیراز انصاری، بشریٰ محمد زاہد، عمار اللہ خان، دانیال صابر، محمد عمران، لیاہ اعجاز، ناعمہ تحریم، سید اعظم مسعود، ہما ناز، سائرہ سکندر، مہوش حسین، محمد تیمور عامر، ضحیٰ عامر، شازیہ انصاری، سید اریبہ بتول، کومل فاطمہ اللہ بخش، زنیرہ خان، عریشہ نوید، محمد شافع، اسماء راشد، یسریٰ فرزین، نمرہ رامین، سنعیہ شفیق، محمد احسان عثمان، حسیب جاوید، سندس آسیہ، عبدالودود، معین الدین غوری، جلال الدین اسد، احمد حسین، احسن محمد اشرف، بہار، رضوان ملک، محمد عثمان خان، کامران معراج گل آفریدی، محمد فہد الرحمٰن، فضل ودود خان، صفی اللہ، علی حسن محمد نواز، طاہر مقصود، احمد رضا، فضل قیوم خان، اسماء زینب عباسی، سمعیہ توقیر، محمود اسلام، حسن ظفر، رخشی آفتاب، علیزہ نوید صدیقی ☆ **کاموکی:** نور حسین قادری کرکٹر، خدیجہ نشان، حلیمہ نشان، حسن رضا سردار ☆ **پشاور:** حانیہ شہزاد، محمد حیان ☆ **کشمور:** طارق محمود کھوسہ ☆ **شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن ☆ **حیدر آباد:** مریم عارف، عائشہ ایمن عبداللہ، آفاق اللہ خان، محمد عدیل رشید، محمد کامران علی، سید محمد عمار حیدر، عمار بن جزب اللہ بلوچ، پیر عبداللہ شاہ، زرشت نعیم، مرزا اسفار بیگ، صبا سعید، انوشہ بانو سلیم الدین ☆ **میر پور خاص:** سیف الرحمٰن، توقیر، حفصہ نادر خان، دیپا کھتری اوم پرکاش ☆ **ٹنڈو محمد خان:** نبی شیر ☆ **نواب شاہ:** ثوبیہ رانی مغل ☆ **ٹوبہ ٹیک سنگھ:**

سعدیہ کوثر مغل ☆ **جھنگ صدر:** علی حیدر ☆ **گوجرانولہ:** حافظ محمد منیب، سید ساجد علی بخاری ☆ **خوشاب:** محمد فراز خان ☆ **ہڈالی:** نعیم اللہ ☆ **لاہور:** سید دانش، عطیہ خلیل، مستنشیرہ معظم، امتیاز علی ناز، محمد شادمان صابر، ماہین صباحت، جوادالحسن ☆ **سکرنڈ:** نمرہ ندیم خانزادہ ☆ **بہاول پور:** محمد شکیب مسرت ☆ **تلہ گنگ:** مجاہدہ پروین ☆ **لسبیلہ:** محمد الیاس چنا ☆ **کمالیہ:** فاطمہ حبیب ☆ **سانگھڑ:** علیزہ ناز ☆ **گجرات:** آمنہ حسین، محمد دانیال ☆ **ملتان:** عبدالحنان ☆ **بہاول نگر:** طوبیٰ جاوید انصاری ☆ **ڈیرہ غازی خان:** سعدان گیلانی ☆ **پشاور:** حافظ معصب سعید ☆ **فیصل آباد:** زینب ناصر ☆ **پنڈ دادن خان، جہلم:** راجا ثاقب جنجوعہ ☆ **اسلام آباد:** تحسین فاطمہ، آمنہ علی، شوکت محمود ☆ **آزاد کشمیر:** محمد جواد چغتائی ☆ **بہاول پور:** محمد اسامہ اقبال، مبشرہ حسین ☆ **پرانا سکھر:** مہرین فاطمہ، عائشہ عمر خالد قریشی ☆ **ڈیرہ اللہ یار:** برکت علی کھوسہ، آصف علی کھوسہ ☆ **راولپنڈی:** حفصہ کامران، شہزادی کومل، محمد بن قاسم، رخسانہ شاہین، تحریم احمد۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔ ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
حَربہ	حَ رْ بہ	آلۂ جنگ۔ ہتھیار۔
مُسٹنڈا	مُ سْ ٹَ نْ ڈَ ا	موٹا تازہ آدمی۔ ہٹا کٹا۔
چکما	چَ کْ مَا	دھوکا۔ فریب۔ دغا۔
بھانڈا	بھا نْ ڈَ ا	مٹی کا برتن۔ ہانڈی۔ راز۔ بھید۔
بُوسیدہ	بُو سِ یْ دَ ہ	پھٹا پرانا۔ گلا سڑا۔
مُقید	مُ قَ یْ یَ د	قید کیا گیا۔ قیدی۔ اسیر۔ پابند۔
مجروح	مَ جْ رُ وْ ح	زخمی۔ گھائل۔ چوٹ کھایا ہوا۔ وہ جس کے زخم لگا ہو۔
عار	عَ ا ر	ننگ۔ عیب۔ بے عزتی۔
پُرتکلف	پُ رْ تَ کَ لْ لُ ف	بہت آراستہ۔ بڑی محنت اور اہتمام سے بنایا ہوا۔
ثانوی	ثَ ا نْ وِ ی	دوسرے درجے کا۔ بعد کا۔ (SECONDARY)
بے باک	بے بَا ک	بے خوف۔ نڈر۔ دلیر۔
بے لوث	بے لَوْ ث	خالص۔ بے آمیزش۔ بے غرض۔ پُرخلوص۔
دِیار	دِ یَا ر	دار (بمعنی گھر) کی جمع۔ ملک۔ شہر۔ اردو میں واحد مستعمل ہے۔
فِدا	فِ دَ ا	نثار۔ قربان۔ صدقے۔ عاشق۔ فریفتہ۔
زِیرک	زِ یْ رَ ک	دانا۔ دانش مند۔
تضحیک	تَ ضْ حِ یْ ک	ہنسی اُڑانا۔ ذلت رسوائی۔ ہنسی ٹھٹھا۔
فُغاں	فُ غَا ں	شور۔ غوغا۔ واویلا۔ نالہ۔ فریاد۔